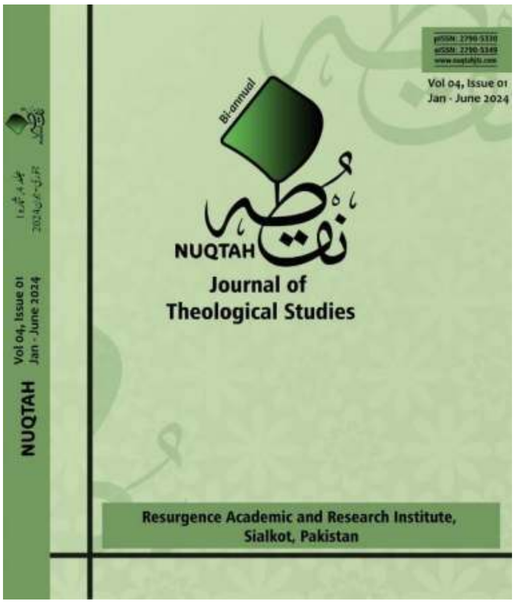

NUQTAH Journal of Theological Studies

Editor: Dr. Shumaila Majeed
(Bi-Annual)
Languages: Urdu, Arabic and English
pISSN: 2790-5330 eISSN: 2790-5349
https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published By:
Resurgence Academic and Research Institute, Sialkot (51310), Pakistan.
Email: editor@nuqtahjts.com

اسلامی تصور اخلاق میں معاشرتی ماحول اور زمام کار کی اہمیت: ایک تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Importance of Leadership and Social Values in the Islamic Concept of Morality

Dr. Fatima Noreen
Former Assistant Professor, Lahore Garrison University, Lahore
Email: fatimnoreen34@yahoo.com

Dr. Sadia Tahseen
Assistant Professor, Lahore Garrison University, Lahore
Email: saadiatehseen@lgu.edu.pk

Published online: 30 December 2024

View this issue

OPEN ACCESS

CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at:
https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

اسلامی تصور اخلاق میں معاشرتی ماحول اورزمام کار کی اہمیت: ایک تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of the Importance of Leadership and Social Values in the Islamic Concept of Morality

ABSTRACT

This study examines the pivotal role of leadership and social values in shaping moral character within the Islamic framework. Islamic morality is rooted in the concept of *khilafatullah* (vicegerency of God) and *ashraf-al-makhlookat* (the crown creature), which emphasizes the importance of ethical values in human life. The research explores the Islamic perspective on morality, highlighting the significance of leadership, social atmosphere, and spiritual growth in fostering a morally upright individual.

The study draws comparisons with Western philosophical traditions, particularly the Greek philosophers' rational approach to ethics. In contrast, Islam offers a balanced path that considers worldly fluctuations and emphasizes progressive action. The Prophet's teachings in Islam connect apparent morality with human intention, and the environment and leadership play critical roles in shaping an individual's morality.

The research also investigates the golden age of Islam, where high moral standards flourished, and the impact of leadership on moral development. The study analyzes the challenges faced by Islamic leaders, including the *Banu Ummaya* and *Banu Abbas* Caliphs, who were compelled to implement Islamic rites due to public demand.

The findings of this study highlight the importance of leadership and social values in promoting moral growth and development in individuals and society. The Islamic concept of morality, with its emphasis on emulating the attributes of the Creator, offers a unique approach to ethics that can inform and enrich contemporary discussions on morality.

Keywords: Ethical values, social atmosphere, leadership, spiritual aspect, morality

انسانیت کا اصل جوہر اخلاق ہے جس کو انسانی زندگی کی تعمیر اور تخریب میں اہم مقام حاصل ہے، لہٰذا انسانی زندگی میں اصل فیصلہ کن اہمیت اخلاقی طاقت کی ہے۔ آج انسان کی اخلاقی اقدار میں جو عالمگیر بگاڑ پیدا ہو چکا ہے اور انسانی تمدن و معیشت و سیاست میں جو زہر سرایت کر چکا ہے اس کی وجہ سے ظلم و طغیان اپنے عروج پر ہے۔ دھرتی کے تمام وسائل اور علوم و فنون سے دریافت شدہ ساری قوتیں انسانیت کی فلاح و بہبود کی بجائے اس کی تباہی و بربادی کے لئے استعمال ہو رہی ہیں۔ انسانیت کی بھلائی کا انحصار اس بات پر ہے کہ دنیا کے اقتدار کے معاملات کی سربراہی صالح لوگوں کے ہاتھ میں ہو۔ جب حکومت و اقتدار کی سربراہی صالح لوگوں کے ہاتھ میں ہو گی تو ان کے اعمال صالحہ کے اثرات معاشرتی ماحول پر اثر انداز ہوں گے تو جس کی بدولت ایک مثالی صالح معاشرے کی تشکیل ہو گی جو معاشرتی فلاح و بہبود کا ضامن ہو گا۔

اسلام کا مختصر معنٰی و مفہوم:

اسلام کا سہ حرفی مادہ سَلَمٌ ہے۔اَلسَّلْمُ وَالسَّلَامَۃُ کے معنٰی ظاہری اور باطنی آفات سے محفوظ رہنے کے ہیں[1]۔ قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ[2](یعنی) جو پاک دل لے کر آئے گا، وہ بچ جائے گا۔

سَلَمٌ سے مصدر اِسْلَامٌ ہے اور اسلام کے معنٰی اپنا آپ سونپ دینا، سر تسلیم خم کرنا اور شریعت (اسلامی) کے مطابق زندگی گزارنا ہے[3]۔

اسلام دراصل ایمان کے عملی ظہور کا نام ہے۔ ایمان اور اسلام کا باہمی تعلق بیج اور درخت کی مانند ہے، درخت کی ساری خامیوں اور خوبیوں کا اندازہ بیج سے ہوتا ہے۔ جیسا ایمان ہو گا ویسے ہی اس پر اخلاق و عمل کی عمارت تعمیر ہو گی۔ حدیث نبوی ہے: بُنِيَ الْاِسْلَامُ عَلٰی خَمْسٍ[4]

اسلامی عمارت کی بنیاد ایمان کو قرار دیا گیا ہے اس کے بعد نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج چار ستون ہیں۔ اسلام کی عمارت میں بظاہر اخلاق حسنہ کی جگہ نظر نہیں آتی، مگر جب ہم عبادات کے مقاصد پر غور کرتے ہیں تو ان کے دیگر مقاصد کے علاوہ ایک اہم مقصد انسان کے اخلاق حسنہ کی تربیت و تکمیل بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں نماز کے فائدے اور مقاصد کی وضاحت اسطرح ہے:

إِنَّ ٱلصَّلَوٰةَ تَنۡهَىٰ عَنِ ٱلۡفَحۡشَآءِ وَٱلۡمُنكَرِ [5]

یقیناً نماز برائی اور بے حیائی سے روکتی ہے[6]۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: مَن لَّم تَنۡتَهِ صَلَاتَه عَنِ ٱلۡفَحۡشَآءِ وَٱلۡمُنكَرِ لَاصَلَاةَ لَه[7]

مفہوم: "جس کی نماز اسے بے حیائی اور برے کاموں سے نہ روکے، تو اس کی نماز در حقیقت نماز نہیں۔"

روزہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ ٱلصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى ٱلَّذِينَ مِن قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُونَ[8]

اے ایمان والو تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

روزہ تقوی اور پرہیز گاری کی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ سراپا انسانی ہمدردی اور غم خواری کا درس دیتی ہے اور حج بھی مختلف طریقوں سے بین الاقوامی اصلاح اور ایک دوسرے کے حالات سے آگاہی اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے اور ان کی امداد کا ذریعہ ہے۔

"اسلام کے ان چاروں ارکان کے نام الگ الگ جو کچھ بھی ہوں مگر ان کے بنیادی مقاصد میں اخلاقی تعلیم کا راز مضمر ہے، اگر ان عبادات سے روحانی اور اخلاقی ثمرات ظاہر نہ ہوں تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ احکام الٰہی کی حقیقی تعمیل اور عبادت کے جوہر سے یکسر خالی اور معرّا ہیں اور ایسے درخت ہیں جن پہ پھل نہیں، وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں، وہ قالب ہیں جن میں روح نہیں"[9]۔

قرآن مجید کی تعلیمات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اعتقادی ایمان اور عملی اسلام لازم وملزوم ہیں اور ہر جگہ ایمان اور عمل صالح کا ذکر ساتھ ساتھ آیا ہے۔ وہ تمام وعدے جو اللہ نے اپنے بندوں سے کئے ہیں وہ عقیدے اور عمل کے لحاظ سے مسلّم ہیں، اس لئے ایمان کی پہچان اسلام ہے اور اس کے آثار و ثمرات اخلاق حسنہ ہیں۔

اخلاق کا معنیٰ ومفہوم:

لفظ اخلاق کا سہ حرفی مادہ "خلق" ہے۔ خلق کا لفظ قوائے باطنہ اور عادات وخصائل کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے جس کا تعلق بصیرت سے ہے[10]۔ قرآن کریم میں رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: إِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ[11]

"بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں"

اخلاق وہ فضیلت ہے جو انسان اپنی محنت اور اچھے طور طریقوں سے حاصل کرتا ہے۔ جو لوگ صرف دنیا کے طالب بن کر اپنے آپ کو اعلیٰ اخلاقی عادات واطوار سے اپنے اخلاق کو مزین نہیں کرتے، ان کے بارے میں قرآن کریم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا لَهُۥ فِي ٱلْأَخِرَةِ مِن خَلَاقٍ[12] "ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے"۔

المنجد کے مطابق "الخَلق والخُلق" طبعی خصلت، طبیعت، مروت اور عادت کے معنوں میں آتا ہے، اس کی جمع اخلاق ہے۔ علم الاخلاق حکمت عملیہ کی ایک قسم کا نام ہے، اس کو حکمت خلقیہ بھی کہتے ہیں"[13]۔ علامہ ابن منظور لکھتے ہیں:

"الخُلق لام کے پیش اور سکون کے ساتھ، اس کے معنیٰ طریقہ ءزندگی، طبیعت اور مزاج کے ہیں۔ درحقیقت یہ انسان کی باطنی صورت کا نام ہے جو اس کے نفس کے اوصاف اور مخصوص معانی ہیں اور اس کی صورت ظاہرہ کے قائم مقام ہیں اور ان دونوں صورتوں (ظاہرہ وباطنہ) کے اچھے اوصاف کی بنا پر وہ ثواب اور عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے"[14]۔

انسان کی تخلیق فطرت سلیم پر ہوئی ہے اور اخلاق انسان کی فطرتی حس ہے جس کی بنا پر وہ بعض چیزوں کو پسند اور بعض کو ناپسند کرتا ہے۔ اگر انسانی تاریخ کا مشاہدہ کیا جائے تو مجموعی طور پر انسانیت کے شعور نے اخلاق کے بعض اوصاف پر خوبی کا اور بعض پر برائی کا یکساں حکم لگایا ہے۔ ابن مسکویہ اولین مسلم مفکر تھا، جس نے اخلاق کی عمارت فلسفیانہ بنیادوں پر استوار کی۔ وہ لکھتا ہے:

"انسان کا اپنی خواہشوں اور جذبوں کو زیادہ سے زیادہ عقل سلیم کے مطابق ڈھالنا اور خدا کی مانند (خدا کی صفات اختیار کرنے کی کوشش کرنا) ہونے کی سعی کرنا انسان کو اخلاقی اعتبار سے خوب سے خوب تر بناتا ہے۔ اسی سے وہ اوصاف حمیدہ پیدا ہوتے ہیں جو شائستگی کی پہچان سمجھے جاتے ہیں"[15]۔

مفکر اخلاق کی حثیت سے حجۃ الاسلام، امام ابو حامد الغزالی کو ایک منفرد مقام حاصل ہے، انہوں نے اخلاق کی تعریف کچھ اس طرح بیان کی ہے:

"فالخلق عبارة عن هيئة فى النفس راسخة عنهاتصدر الاعمال بسهولة ويسر من غير حاجة الى فكر روية فان كانت الهيئة بحثيت تصدر الافعال الجميلة المحمودة عقلاوشرعا سميت تلك الهيئة خلقاحسنا وان كانت الصادرعنهاالافعال قبيحةسميت التى هى مصدر خلقاسيئا"[16]

خُلق نفس کی اس ہیئت راسخہ کا نام ہے جس سے تمام افعال بلا تکلف صادر ہوں، اگر وہ افعال عقلاً وشرعاً عمدہ ہوں تو اس ہیئت خُلق کو نیک، اور برے ہوں تو خُلق بد کہتے ہیں۔

امام غزالی اپنی تصنیف میزان العمل میں اخلاق کے بارے میں لکھتے ہیں:

"يعرف الخلق الحسن انه اصلاح القوى الثلاث قوة التفكر وقوة الشهوة وقوة الغضب"[17]

اخلاق حسنہ تین قوتوں کی اصلاح کا نام ہے: قوت فکر، قوت خواہش اور قوت غضب۔

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے بڑے لطیف پیرائے میں اخلاق کی وضاحت کی ہے، جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:

"دین اسلام اچھے خُلق ہی کا دوسرا نام ہے۔۔۔ حُسن خلق کی حقیقت جود و کرم کی بہتات، ایذاء دہی سے پرہیز اور ایذاء و تکالیف کی برداشت میں مضمر ہے۔ حسن عمل پر ثبات اور بد عملی سے پرہیز حسن خلق کا مصدر ہیں۔ رذائل سے پاک اور فضائل سے مزین رہنے کا نام حُسن خُلق ہے۔ پس جو شخص جس قدر اخلاق حسنہ کا مالک ہے اسی قدر دین میں بلند ہے۔۔۔ حقیقت میں حُسن خُلق کے چار ارکان ہیں اور اخلاق فاضلہ کی بنیاد انہی پر قائم ہے۔

1۔ **صبر:** یہ ایک ایسی قوت ہے جو انسان کے اندر قوت برداشت، غصہ پر قابو اور ایذاء رسانی سے پرہیز عطا کرتی ہے اور جلد بازی اور زود رنجی سے محفوظ، بردباری، سنجیدگی اور نرمی کا خوگر بناتی ہے۔

2۔ **عفت:** یہ ایک ایسی خوبی ہے جو رذائل اور قول و عمل میں قبائح سے بچاتی ہے، صفت حیا کا عادی بناتی ہے جو تمام بھلائیوں کا منبع ہے۔ فحش، بخل، کذب، غیبت اور چغل خوری سے دور رکھتی ہے۔

3۔ **شجاعت:** قوت غضب کو بروئے کار نہ لانے اور عقل کے تابع ہونے کا نام ہے۔ شجاعت، عزت نفس و بلند اخلاق پیدا کرتی ہے، فضل و کرم اور سخاوت و ایثار پر آمادہ کرتی ہے، بردباری پیدا کرتی ہے اور غیض و غضب پر قابو بخشتی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان گرامی ہے:

"لَیسَ الشَّدِیدُ بِالصُّرعَۃِ اِنَّما الشَّدِیدُ الَّذِی یَملِکُ نَفسَہٗ عِندَ الغَضَبِ"[18]

بہادری کُشتی میں پچھاڑ دینے کا نام نہیں بلکہ حقیقت میں بہادر وہ ہے جو غصے کے وقت خود پر قابو پالے۔

حقیقی شجاعت اسی کا نام ہے کیونکہ یہ ایک ایسا ملکہ ہے جس سے انسان کا نفس قابو میں رہتا ہے اور اعلیٰ اخلاق جیسی خصلت پھلتی پھولتی ہے۔

4۔ **عدل:** نفس کی اس قوت و حالت کو کہتے ہیں جس سے غضب و شہوت کو صحیح تدبیر کی زنجیروں میں جکڑا جائے اور حکمت و عقل کو استعمال میں لایا جائے۔ عدل انسان کو اس کی اخلاقی زندگی میں اعتدال اور توسط کی روش بخشتا ہے اور ہر مرحلے میں افراط و تفریط کے درمیان صحیح راہ پر گامزن رکھتا ہے[19]۔

شاہ ولی اللہ کے نظریہ کے مطابق آخرت پر یقین کی بنا پر بہترین اخلاقی اوصاف کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"واضح رہے کہ شارع نے انسان کو ایجاب و تحریم کا جن اعمال کی بنا پر مکلف بنایا ہے وہ ایسے اعمال ہیں جن کی تحریک نفس کی ان کیفیات کے ذریعے ہوتی ہے جو عالم آخرت میں نفس کے لئے مفید یا مضر ثابت ہوں گے۔ اس قسم کے اعمال پر دو طرح بحث کی جاسکتی ہے: ایک اس حیثیت میں کہ وہ انسانی نفوس کو مہذب بنانے کا ذریعہ ہیں، اور ان اعمال سے جو ملکات فاضلہ مقصود ہیں، ان تک نفس کو پہنچانے کا آلہ ہیں۔ اس کو علم الاحسان و علم الاخلاق کہتے ہیں"[20]۔

خلیفہ عبدالحکیم علم اخلاق کی تعریف کے ضمن میں لکھتے ہیں:

"It is the study of what is right or wrong in conduct or the study of good and evil. It tries to define the nature of right and good at which one aims or ought to aim." [21]

علم اخلاق میں عادات و اطوار کی اچھائی یا برائی کا مطالعہ یعنی خیر و شر کی تحقیق کرتے ہیں اور اس کے ذریعے نیک و بد کا تعین ہوتا ہے کہ وہ کیا نصب العین ہے جس کو انسان اپنا مقصد بناتا ہے۔

عبدالحمید صدیقی لکھتے ہیں:

"اخلاق، ضبط نفس کا دوسرا نام ہے۔ حکمائے اخلاق نے اس کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ اخلاق در حقیقت ان پابندیوں کا نام ہے جو انسان خود اپنے اوپر عائد کرتا ہے"[22]۔

مغربی مفکرین میں سے جان ایس میکنزے کے مطابق:

"Ethics is the science of conduct. It considers the actions of human beings with reference to their rightness or wrongness, their tendency to good or to evil."[23]

اخلاقیات کی تعریف اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ اس مراد ایسا علم جو کردار واطوار کے صائب یا غیر صائب ہونے کا مطالعہ کرتا ہے۔ یہ انسانی کردار واعمال کے عمومی نظریہ کا تعین کرتا ہے اور ان کے خیر وشر کے رجحانات کا احاطہ کرتا ہے۔

Encyclopedia of Philosophy کے مطابق:

The term "Ethics" is used in three different but related ways, signifying:

1. A general pattern or way of life.
2. A set rules of conduct or moral code.
3. Inquiry about aim of life and rules of conduct[24].

Encyclopaedia of Britannica کے مطابق:

Ethics is the systematic study of ultimate problems of human conduct، also called moral philosophy.[25]

اخلاقیات انسانی کردار کے بنیادی مسائل کا منظم مطالعہ ہے، اسے فلسفۂ اخلاق بھی کہا جاتا ہے۔

اخلاقی حس ہر فطرت سلیم رکھنے والے انسان میں موجود ہے، اسی وجہ سے انسان کی طبیعت میں دوسرے انسانوں کے ساتھ ایسا برتاؤ کرنے کی خواہش موجود رہتی ہے جس سے نہ وہ خود نقصان اٹھائے اور نہ ہی کسی دوسرے کو نقصان پہنچائے۔ آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:

"لَاضَرَرَ وَلَاضِرَار"[26]

کسی کو نقصان پہنچانا جائز نہیں نہ ابتداءً نہ مقابلۃ

اخلاقیات کی اہمیت:

انسان کو انسان اس کے اچھے اخلاق کی بناپر کہا جاتا ہے۔"اصل چیز جو انسان کو گراتی اور اٹھاتی ہے اور اس کی قسمت بنانے اور بگاڑنے میں سب سے بڑھ کر جس طاقت کو عمل دخل حاصل ہے وہ اخلاقی طاقت ہے[27]۔یہی وجہ ہے کہ انسانی عروج وزوال کا مدار اخلاقیات پر ہے اور اخلاقی قوانین ہی انسان کے عروج وزوال پر فرماں روا ہیں۔ اس علم کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپؐ نے اپنی بعثت کا مقصود حسنِ اخلاق کی تکمیل قرار دیا ہے۔ آنحضور ﷺ کا فرمان ہے:اِنَّمَابُعِثْتُ لِاُتَمِّم حُسنَ الاخلَاقِ[28]

اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے مبعوث فرمایا ہے کہ میں اخلاقی خوبیوں کو درجہ کمال تک پہنچادوں۔

آپؐ کا ارشاد گرامی ہے:اَکمَلُ المؤمِنِین اِیمَاناً اَحسَنُہُم خُلقاً[29]

"ایمان میں سب سے کامل وہ مؤمنین ہیں، جو اخلاق میں سب سے اچھے ہیں"۔

اخلاقیات کے علم کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ وہ انسان کے سامنے نیکی وبدی اور بھلائی وبرائی کی شاہراہ کو واضح کر دیتا ہے۔ یہ بات اس علم کے زمرے میں نہیں آتی کہ وہ جبراً کسی کو صالح بنادے، یہ انسان کے اپنے ارادہ واختیار میں ہے کہ وہ بھلائی کی راہ پر گامزن ہونا چاہتا ہے یا برائی کی؟ اس کا کام تو محض اخلاقی اوصاف کے شعور کو بیدار کرنا ہے۔ پروفیسر خورشید احمد لکھتے ہیں:

"یہ علم ایک طبیب کی طرح انسان کو اچھے بُرے کا امتیاز کروادیتا ہے اور چشم بصیرت وعبرت کو کھول دیتا ہے تاکہ انسان خیر وشر اور اس کے آثار ولوازم کو جان لے"[30]

ہر علم میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ اپنا مطالعہ کرنے والے کو ناقدانہ نظر عطا کرتا ہے۔ چنانچہ اخلاقیات میں بھی یہی شان پائی جاتی ہے کہ جو شخص اس کے ساتھ شغف رکھتا ہے، یہ اس کو اعمال کے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کروادیتا ہے۔ ایسا شخص غلط اور صحیح کے نفاذ کے معاملہ میں لوگوں کے رجحان کی تقلید نہیں کرتا بلکہ اپنے فیصلے میں اخلاقیات کے نظریات وقواعد سے مدد حاصل کرتا۔ لیکن یہ بات بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ علم الاخلاق کی غرض وغایت صرف نظریوں اور قاعدوں کی معرفت تک محدود نہیں ہے بلکہ اس کے مقاصد عظمیٰ میں یہ بھی شامل ہے کہ ہمارے ارادے میں ہدایت اور تاثیر کارفرما ہو، تاکہ ارادے کی یہی تاثیر عمل خیر پر آمادہ کرتی رہے۔ شاہ ولی اللہ دہلویؒ اخلاق کی غرض وغایت، سعادت حقیقی کا حصول اور مثل اعلیٰ تک رسائی قرار دیتے ہیں۔[31]

پروفیسر سی اے قادر نے اخلاقیات کو ایک سائنس قرار دیا ہے جس کا مقصد تحقیق کے بعد حقیقت کو روشناس کروانا ہے، حکم دینا نہیں ہے۔

"اخلاقیات ایک سائنس ہے۔ اس کا کام حکم دینا نہیں بلکہ اس امر کی تحقیق کرنا ہے کہ کون سے افعال اچھے ہیں اور کون سے برے؟ فرائض کونسے ہیں؟ ذمہ داری کسے کہتے ہیں؟ ضمیر، عدل، مسرت، حکمت کیا ہیں؟ یہ سب اخلاقیات کے مسائل ہیں"[32]۔

"خالق کی خوشنودی اور مخلوق میں ہر دلعزیز ہونے کے لئے اخلاق سب سے بہتر، سب سے بڑا اور سب سے آسان ذریعہ ہیں۔ انسان ہزار عالم و فاضل اور عابد و زاہد ہو، اگر اخلاقی اوصاف سے محروم ہو تو اس کا علم و فضل اور عبادت و ریاضت سب بیکار ہیں"[33]۔

اخلاق اور ماحول:

انسان شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنے آس پاس کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ تاثر طبیعت میں نفوذ کرنے لگتا ہے، جس کا اثر انسان کی اخلاقی اقدار پر نمایاں ہونے لگتا ہے۔ لفظ ماحول فارسی زبان کا لفظ ہے اور فارسی سے اردو میں منتقل ہوا ہے۔ ماحول کے معنی و مفہوم کے بارے میں عبد اللہ خان خویشگی لکھتے ہیں "ماحول، حوالی یعنی چاروں طرف کی چیزیں"[34]۔ عربی زبان میں ماحول کو هيئة اور محيط اور انگریزی میں ماحول کو Environment Surrounding کہتے ہیں[35]۔

The World book Encyclopaedia کے مطابق:

The surrounding in which every living being exists, makes up its environment. The word environment comes from French word meaning to surround. Environment includes much more than actual physical surrounding such as land, water, and climate. It also includes the social environment of human beings, plants and animals. Human social environment includes government under which a person lives, the neighbourhood, economic opportunities, family relationship and friends.[36]

"ماحول سے مراد کسی جاندار مخلوق کا ارد گرد جس میں وہ زندگی گزارتی ہے اور اسی سے ماحول تشکیل پاتا ہے۔ لفظ ماحول فرانسیسی زبان سے ماخوذ ہے جس سے مراد، آس پاس کا موجود علاقہ ہے جس میں زمین، پانی اور آب و ہوا نیز اس میں لوگوں کا سماجی ماحول، درخت و پودے اور حیوانات سب شامل ہیں۔ اس سماجی ماحول میں حکومت کے ماتحت زندگی گزارنے والا ایک فرد اس کے ہمسائے، خاندانی تعلقات، معاشی مواقع اور دوست احباب سب شامل ہیں"۔

مولانا تقی امینی کے نزدیک ماحول کی دو اقسام ہیں:

1۔ **مادی ماحول:** اس ماحول میں زندگی کی ضروریات اور تفریحات شامل ہیں، مثلاً زمین، مکان، باغ، دریا، نہر، چشمہ، فضا اور آب و ہوا وغیرہ۔

2۔ **اجتماعی ماحول:** اجتماعی ماحول میں تمدن اور مدنیت کو پیدا کرنے والی تمام اشیاء شامل ہیں جیسے مدرسہ، تعلیم، اخلاق، افکار و عقائد، ادب، فن، پیشہ وغیرہ[37]۔ ماحول کی یہ قسم چونکہ ہمارے موضوع سے متعلق ہے لہٰذا اس پر مزید بحث ہوگی۔

ماحول یہ اس نظم اجتماعی کا نام ہے جو انسان کی اجتماعی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہے، مثلاً مدرسہ، قیام گاہ، حکومت، خدمت، شعائر دینیہ، معتقدات، افکار، رائے عامہ، مثل اعلیٰ، لغت، ادب، فن، علم، اخلاق اور اس قسم کی وہ تمام چیزیں جو مذہب اور تمدن سے پیدا ہوتی ہیں"[38]۔

اجتماعی ماحول کے اثرات کے بارے میں ڈاکٹر پارک لکھتے ہیں: "ماحول ایک ایسا عامل ہے جس سے انسانی نسلوں کی اخلاقی، ذہنی اور جسمانی نشو و نما ہوتی ہے اور وہ اپنے عقائد و تصورات اور تہذیب و ثقافت کی اقدار بھی اسی سے اخذ کرتے ہیں"[39]۔

ڈاکٹر اسرار احمد فرماتے ہیں: یہ فطرت کا بڑا عام اصول ہے کہ کوئی شے ماحول سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی اور نہ ہی ماحول کو متاثر کئے بغیر رہ سکتی ہے۔ جیسے برف میں ٹھنڈک ہے وہ لازماً ماحول کو ٹھنڈا کرے گی، آگ میں حرارت ہے وہ لازماً ماحول کو گرم کرے گی۔ انسانی اخلاقیات میں یہ اصول بڑی شدت سے کار فرما ہے۔

اخلاقیات اور معاشرہ:

معاشرت عربی زبان کالفظ ہے جس کے معانی ہیں مل جل کر رہنااورزندگی بسر کرنا، چنانچہ عربی علمائے لغت نے اس کامفہوم کچھ یوں بیان کیاہے:

"عاشرته معاشرة: اعتشروا وتعاشروا وتخالطوا والمعاشر القريب والصديق

والمعشر: الجماعة متخالطين كانوا اوغيرذالک

والمعاشر: جماعة الناس"[40]

علماء معاشرت بطور استدلال ارسطو کے اس جملے کو پیش کرتے ہیں کہ "انسان فطرتی طور پر مدنی الطبع ہے"۔ علامہ ابن خلدون اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں "انّ الاجتماع للانسان ضروریٌ"۔ انسان شعوری اور غیر شعوری طور پر اپنے آس پاس کے ماحول سے متاثر ہوتا ہے اور آہستہ آہستہ یہ تاثر طبیعت میں نفوذ کرنے لگتا ہے جس کا اثر انسان کی اخلاقی اقدار پر نمایاں ہونے لگتا ہے۔

معاشرتی ماحول، اخلاقی اقدار اور اسلام:

اسلام دین فطرت ہے۔ اس نے انسان کے اجتماعی شعور کو مد نظر رکھتے ہوئے انسانوں کے باہمی میل جول سے پیدا ہونے والی اجتماعیت کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اس کی نشوونما میں بھی معاونت کرتا ہے اور ایسے فطری اصول فراہم کرتا ہے جن سے اجتماعیت کو تقویت ملے۔ انسان اپنی فطرت میں معاشرتی زندگی کا محتاج ہے اور معاشرے کا وجود افراد کے مرہون منت ہے۔ جس طرح معاشرے کا ہر فرد دوسروں کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے اسی طرح ان سے متاثر بھی ہوتا ہے۔ معاشرے کا سب سے چھوٹا ادارہ خاندان یا کنبہ ہے۔ اسلامی نقطہء نگاہ سے دیکھا جائے تو اس کی حیثیت ایک انسانی جسم کی مانند ہے اگر جسم کے کسی ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارے جسمانی اعضاء اس تکلیف کو محسوس کرتے ہیں۔ مثلاً خاندان کا ایک فرد بد طینت ہو جائے تو سارے خاندان کو سعادت و خوش بختی سے محروم کر دیتا ہے۔ اگر خاندان کا سربراہ یعنی باپ بد خصلت، شرابی یا جواری ہو جائے تو یہ بری خصلت پورے گھرانے پر اثر انداز ہو گی اور سارے گھر کا مالی وانتظامی اور اخلاقی ماحول درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہ صورت حال معاشرے کی چھوٹی اکائی (خاندان) سے لے کر بڑے سے بڑے ادارے تک کی ہے۔ مثلاً ایک تعلیمی ادارہ میں طلبہ اور معلمین ایک جسم کی مانند ہیں۔ ان میں ہر فرد اپنے عمل کی وجہ سے اس ادارے کی عظمت یا پستی کا باعث بن سکتا ہے۔ یہی حالت سارے ملک و قوم کی ہے۔ قوم کا ایک فرد کوئی عظیم الشان کارنامہ سرانجام دے کر پورے خاندان اور ملک کا نام روشن کر دیتا ہے اور دوسروں کے لئے بھی ایک اچھی مثال چھوڑ کر عزت کا راستہ معین کر دیتا ہے۔ اس حقیقت کو علامہ اقبال نے اپنے کلام میں بڑی عمدگی سے بیان کیا ہے۔

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ[41]

اس طرح ایک فرد کی دنائت اور اس کا ذاتی مفاد پوری قوم کو ذلت ورسوائی اور غلامی مبتلا کر دیا ہے۔

جعفر از بنگال وصادق از دکن ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن[42]

میر جعفر نے جس طرح بنگال میں کیا اور میر صادق نے دکن میں

وہ نسل آدم کیلیے باعث شرم ہے وہ دین اسلام کیلیے باعث شرم ہے وہ وطن و قوم کیلیے باعث شرم ہے۔

معاشرتی رجحانات ومیلانات سے اخلاقی ماحول کی تشکیل:

حقیقت حال یہ ہے کہ انسان نہ صرف کسی ایک بلکہ بہت سے روابط کے ساتھ ناگزیر طور پر مربوط ہے۔ اسی طرح وہ اپنے خاندان کا بھی عضو ہے اور اپنے معاشرے و شہر اور پورے ملک و قوم کا بھی حصہ ہے۔ معاشرے کے افراد کے رجحانات ومیلانات سے اخلاقی ماحول تشکیل پاتا ہے اور یہی ماحول انسان کی اخلاقی اقدار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان کو معاشرتی زندگی کی بدولت جو علائق

حاصل ہیں، اگر ان کو حذف کر دیا جائے تو اس کی حیثیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔ انسان کے عادات واعمال اور اغراض کی معاشرے کے بغیر کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔

"بنابریں "سچائی "کا خیر ہونا اور "جھوٹ "کا شر ہونا اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ ایسے انسان سے وابستہ نہ ہو، جو جماعتی زندگی بسر کرتا ہے اور اگر یہ نہیں تو پھر کوئی خیر، خیر نہیں اور کوئی شر، شر نہیں ہے۔"[43]

رابرٹ بریفالٹ لکھتا ہے کہ (معاشرتی) ارتقاء کے ساتھ نئے نئے وسائل کی وجہ سے فرد کے لئے نئے دروازے، نئے افق اور ترقی کے نئے دروازے دریافت ہوتے ہیں، وسیع اور تیز تر انسانی بصیرت کی بدولت جو تعلقات و روابط قائم ہوتے ہیں، اس نے اک نئی دنیا کا دروازہ کھول دیا ہے۔ انسان کی خواہشات، اس کی مسرتیں، اس کے تفکرات و مقاصد، زندگی کے متعلق اس کا سروکار اور اہم ترین ضروریات، اس کے وسیع دائرہ کار کے ساتھ ہی کشادہ تر ہوتی چلی گئی ہیں۔ ادراک کا دائرہ ہی (اخلاقی) احساس کے دائرے کو معین کرتا ہے[44]۔ یہی معاشرتی ماحول انسان کی فطرت اور اخلاقی اقدار پر اثر انداز ہوتا ہے۔ انسانی فطرت کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فِطۡرَتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي فَطَرَ ٱلنَّاسَ عَلَيۡهَاۚ[45] "یہ فطرت الٰہی ہے جس پر انسان کی تخلیق ہوئی ہے"۔

اس آیت مبارکہ کی وضاحت آنحضور ﷺ کے اس فرمان سے ہوتی ہے:

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ أَوْ يُنَصِّرَانِهِ أَوْ يُمَجِّسَانِهِ[46]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر بچہ کی پیدائش فطرت (اسلام) پر ہوتی ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔

اخلاقی اصلاح کے لئے جگہ و ماحول کی تبدیلی کا کردار:

معاشرتی ماحول اخلاقی اقدار کو متاثر کرتا ہے، اب یہ کوئی نظری حقیقت نہیں رہی بلکہ تاریخی واقعات و حقائق نے اس کو ایک بدیہی حقیقت بنادیا ہے۔ خاندان بنوامیہ کے دور حکومت میں صحابہ کرامؓ و تابعینؒ اور ان کے تربیت یافتہ لوگ موجود تھے، ماحول اسلامی شعائر کی پابندی اور اعلیٰ اخلاقی اقدار سے مامور تھا۔ اس لئے خلفائے بنوامیہ کو (چند ایک کو مستثنٰی کرکے) مجبوراً اسلام کی اخلاقی اقدار و شعائر کی پابندی کرنی پڑتی تھی۔ سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں: "ایک اچھی فطرت کا انسان اچھے ماحول میں ولی بن جاتا ہے اور بری فطرت کا انسان برے ماحول میں شیطان۔ اسی طرح بُرا ماحول اچھی فطرت کی خوبیوں کو کم کر دیتا ہے اور اچھا ماحول بری فطرت کی بُرائی کو گھٹا دیتا ہے"[47]۔

فرمان رسول ﷺ کے مطابق انسان کی تخلیق فطرت سلیم پر ہوئی ہے۔ جیسے ایک شخص عادی مجرم ہو، اگر اس کی فطرت سلیمہ مسخ نہیں ہوئی ہو تو اس میں بھی ایمان و سلامتی والی رمق ایک دبی ہوئی چنگاری کی صورت میں موجود رہتی ہے۔ پھر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ جب سلامتی والی رمق بیدار ہونے لگتی ہے، انسان کا ضمیر اس کے گناہوں پر ملامت کرتا ہے اور اس وقت وہ خواہش کرتا ہے کہ تائب ہو کر صحیح راستے پر گامزن ہو جائے تو آس پاس کے لوگ طعنے دے کر اور گذشتہ جرائم یاد دلا کر اسے دوبارہ اس مجرمانہ زندگی کی طرف دھکیلنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے حالات میں فرد کا ماحول اور جگہ تبدیل کر دی جائے تو یہ ہجرت اصلاح کے لئے بڑی مفید اور کارآمد ثابت ہو سکتی ہے۔

حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے (بنی اسرائیل قوم کے) ایک شخص کا واقعہ بیان کیا، کہ اس کو ننانوے لوگوں کو قتل کرنے کے بعد اپنے جرائم کا احساس ہوا اور دل میں توبہ کی خواہش پیدا ہوئی۔ لوگوں نے ایک راہب کی طرف اس کی راہنمائی کی، راہب چونکہ عالم نہ تھا لہٰذا اس نے اس کو یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ اس کے لئے توبہ (معافی) کی کوئی صورت نہیں۔ مایوسی میں اس نے راہب کو بھی

قتل کر دیا۔سو آدمیوں کے قتل کے باوجود اس کا ضمیر توبہ کے لئے بے قرار تھا کہ اس کے گناہوں کے لئے کوئی معافی کی صورت پیدا ہو جائے۔ آخر کار وہ ایک عالم کے پاس پہنچ گیا۔

"فَقَالَ إِنَّهُ قَتَلَ مِائَةَ نَفْسٍ فَهَلْ لَهُ مِنْ تَوْبَةٍ، فَقَالَ نَعَمْ وَمَنْ يَحُولُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ التَّوْبَةِ، انْطَلِقْ إِلَى أَرْضِ كَذَا وَكَذَافَإِنَّ بِهَا أُنَاسًا يَعْبُدُونَ اللَّهَ فَاعْبُدِاللَّهَ مَعَهُمْ وَلَا تَرْجِعْ إِلَى أَرْضِكَ فَإِنَّهَا أَرْضُ سَوْءٍ"[48]

تو اس نے (عالم سے) کہا: کہ اس نے سو قتل کیے ہیں، کیا اس کے لیے توبہ (کا کوئی امکان) ہے؟ اس عالم نے (جواباً) کہا: ہاں، (اللہ اور) اس کے بندے کی توبہ کے درمیان کون حائل ہو سکتا ہے؟ تم فلاں فلاں سرزمین پر چلے جاؤ، وہاں (ایسے) لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ اللہ کی عبادت میں مشغول ہو جاؤ اور اپنی بستی کی طرف واپس نہ جانا، یہ بُری (باتوں سے بھری ہوئی) سرزمین ہے۔ (وہاں کے لوگ اس کو گذشتہ جرائم یاد دلا کر اسے گناہوں پر اکساتے ہیں)

ہم اپنے معاشرتی ماحول میں اس بات کا مشاہدہ کرتے ہیں کہ جب کوئی مجرم شخص گناہوں سے تائب ہو کر صراط مستقیم پر گامزن ہونا چاہتا ہے تو لوگ طعنے دینے لگتے ہیں لو جی "سو چوہے کھا کر بلی حج کو چلی"۔ بجائے اس کے کہ اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے ثابت قدمی واستقامت کی تلقین کی جائے اور اس کی حوصلہ افزائی کے لئے توصیف وتعریف کی جائے کہ اس نے دنیا وآخرت کی بھلائی کے لئے اچھا اقدام کیا ہے، اس کو طعنے دے دے کر اس کی گذشتہ برائیاں یاددلا کر اسے پھر جرائم کی دنیامیں دھکیلنے کی بھرپور کوشش کی جاتی ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ انسان فطرتاً اجتماعیت پسند مخلوق ہے، کوئی چاہے نہ چاہے، معاشرتی ماحول سے اس کا فعل وانفعال اور تاثر وتاثیر کا تعلق قائم رہتا ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان کے اخلاق اعمال واقعی صالح ہیں تو معاشرتی ماحول پر لازماً اس کے اثرات مرتب ہوں گے"۔ انسانی اخلاقیات میں یہ اصول بڑی شدت سے کار فرما ہوتا ہے۔ اگر اجتماعی ماحول خراب ہے تو اس کی خرابی لازماً افراد کی زندگیوں میں سرایت کرے گی اور اس سے بچنے کی ایک ہی راہ ممکن ہے کہ ماحول کو ہی تبدیل کر دیا جائے یا کم از کم اس کو تبدیل کرنے کی جدوجہد مسلسل جاری رکھی جائے۔ اس طرح اگر ماحول نہ بھی تبدیل ہو تو کم از کم فرد کی جارحیت ہی اس کے اخلاق کی حفاظت کے لئے بہترین دفاع ہے"۔[49] انگریزی زبان میں ایک مثل مشہور ہے "Best defence is offence" کے اصول پر عمل پیرا ہو فرد کر اپنا دفاع ضرور کر لے گا۔ اس ضمن میں آنحضور ﷺ کے فرمان میں کامل راہنمائی میسر ہے:

مَنْ رَأَى مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِهِ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِهِ، وَذَلِكَ أَضْعَفُ الْإِيمَانِ[50]

"تم میں سے جو شخص منکر (گناہ کے کام) کو دیکھے اس پر لازم ہے کہ اسے اپنے ہاتھ (قوت) سے بدل دے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو اپنے دل سے اسے برا سمجھے (اور اس کے بدلنے کی مثبت تدبیر سوچے) اور یہ سب سے کمزور ایمانی درجہ ہے۔"

اخلاقیات کی تقسیم

جب ہم اخلاقیات کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ ہمیں دو حصوں میں منقسم نظر آتے ہیں۔ ایک بنیادی انسانی اخلاقیات۔ دوسرے اسلامی اخلاقیات۔

بنیادی اخلاقیات اور اسلام کا اخلاقی نقطہء نظر:

انسانی زندگی میں اصل فیصلہ کن طاقت اخلاق ہی ہے۔ یوں اخلاق اور بداخلاقی کے اوصاف کی بے شمار جزئیات ہیں جن کے اندراج کے لئے عظیم مجلات درکار ہیں، مگر غور وفکر اور وسعت نظر کے بعد ان تمام جزئیات کو چند اصولوں پر منحصر کیا جا سکتا ہے۔ وہ بنیادی اخلاقی اوصاف، جن پر انسان کے اخلاقی وجود کی اساس قائم ہے، ان میں وہ تمام اوصاف شامل ہیں جو انسان کی کامیابی کے لئے ناگزیر ہیں ،خواہ کسی بھی مقصد کے لئے کام کر رہا ہو اور اس میں اس چیز کا بھی دخل نہیں کہ اس کا تعلق کس مکتبہٗ فکر سے ہے؟ وہ اچھا ہے یا برا؟ جو شخص یا جماعت اپنے اندر یہ صفات رکھتی ہے وہ ان لوگوں کی بہ نسبت جو اپنے اندر یہ صفات نہیں رکھتے، دنیا میں یقیناً کامیابی سے ہمکنار ہوں گے۔

ہر انسان کا زندگی میں کوئی نہ کوئی مقصد ضرور ہوتا ہے اس کے حصول کے لئے وہ اپنی خواہشات نفس اور ترجیحات کو کنٹرول کرتا ہے، جذبات ومیلانات میں درجہ بندی کرتا ہے کہ کس خواہش کی تکمیل کو مقدم رکھے اور کس کو مؤخر؟ کس کو کن مواقع پر اور کن صورتوں میں وسائل اظہار سے محروم رکھے۔

سید مودودی کے نزدیک مقصد کے حصول کے لئے، انسان کے اندر ارادے کی قوت، عزم اور حوصلہ، صبر وثبات، استقلال وتحمل، ہمت وشجاعت، مستعدی وجفاکشی اور برداشت ہو۔ پھر اپنے مقصد کے حصول کا عشق اور اس کے لئے ہر چیز قربان کر دینے کا حوصلہ ہو، عزم واحتیاط، معاملہ فہمی اور تدبر ہو۔ وہ حالات کو سمجھنے، ان کے مطابق اپنے آپ کو ڈھالنے اور مناسب تدابیر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ دوسرے انسانوں کا دل موہ لینے کی خوبی اور ان کے دل میں اپنے لئے جگہ پیدا کرنے اور ان سے کام لینے کی قابلیت ہو۔ اس پر مزید کچھ نہ کچھ ایسے خصائل بھی موجود ہوں جو فی الحقیقت جوہر آدمیت ہیں جن کی بدولت دنیا میں آدمی کا وقار واعتبار قائم ہوتا ہے، مثلاً خودداری، فیاضی، راستبازی، وفائے عہد، میانہ روی، شائستگی، طہارت ونظافت اور ذہن ونفس کا انضباط ہو۔ یہ جواہر انسانیت اگر کسی قوم کے بیشتر افراد میں موجود ہوں تو اس کی بدولت ان کی ایک مضبوط اجتماعیت قائم ہو سکتی ہے۔ اس پر مزید اخلاقی اوصاف کا ہونا سونے پہ سوہاگہ ہونے کے مترادف ہے۔ اس قوم کے بیشتر افراد کسی اجتماعی نصب العین پر متفق ہوں اور اس کو اپنی انفرادی اغراض بلکہ اپنی جان، مال اور اولاد سے بھی عزیز رکھیں۔ وہ کم از کم اپنی خودی ونفسانیت کو اس حد تک قربان کر سکیں جو منظم جدوجہد کے لئے ناگزیر ہے۔ وہ اپنے لئے ایسے راہنما کا انتخاب کرنے والے ہوں کہ جس میں اخلاص، حسن تدبیر اور حکومت کرنے کی دوسری لازمی صفات بھی موجود ہوں۔ خود قوم بھی اپنے راہنما کی اطاعت گذار اور اس پر اعتماد رکھتی ہو اور اپنے تمام ذہنی وجسمانی اور مادی ذرائع اس کے تصرف میں دینے کو تیار ہو۔ پوری قوم میں ایسی زندہ حساس رائے عام پائی جاتی ہو جو کسی ایسی چیز کو اپنے اندر پنپنے نہ دے جو اجتماعی فلاح کے لئے نقصان دہ ہو۔

درج بالا اوصاف کو "بنیادی اخلاقیات" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ درحقیقت یہ وہ اخلاقی اوصاف ہیں جو انسان کی اخلاقی طاقت کا اصل منبع ہیں، انسان کسی بھی مقصد کے لئے کامیاب جدوجہد نہیں کر سکتا جب تک ان خوبیوں کی طاقت اس کے اندر موجود نہ ہو۔ اس ضمن میں سید ابوالاعلیٰ مودودی نے بڑی خوبصورت مثال دی ہے۔ "جیسے فولاد اپنی ذات میں مضبوطی واستحکام رکھتا ہے اور اگر کوئی کارگر ہتھیار بن سکتا ہے تو اسی سے بن سکتا ہے۔۔۔ نہ کہ گلی سڑی پُھس پُھسی لکڑی سے جو ایک ذرا سے بوجھ اور معمولی چوٹ کی طاقت کی تاب نہ رکھتی ہو۔ اس بات کی تصدیق نبی کریم ﷺ کی اس حدیث سے ہوتی ہے: خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام إذا فقهوا[51]

یعنی جو لوگ تم میں سے زمانہ جاہلیت میں شریف اور بہتر اخلاق کے تھے وہی اسلام کے بعد بھی اچھے اور شریف ہیں بشرطیکہ وہ دین کی سمجھ حاصل کریں۔

فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے ان کی صلاحیتیں اور قابلیتیں غلط راہوں میں صرف ہو رہی تھیں، اسلام نے آکر انھیں صحیح راہ پر لگا دیا۔ بزدل ناکارہ لوگ نہ جاہلیت میں کسی کام کے تھے اور نہ ہی اسلام میں۔ آنحضور ﷺ کو دنیا میں جو عظیم الشان کامیابی حاصل ہوئی اور جس کے اثرات تھوڑے ہی عرصے میں دریائے سندھ سے لے کر اٹلانٹک کے ساحل تک محسوس کئے گئے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کو عرب کی سرزمین میں بہترین انسانی جواہر کا مواد میسر آگیا تھا، جن میں کردار کی زبردست طاقت موجود تھی۔ خدانخواستہ! اگر آپؐ کو بزدل، پست ہمت، ضعیف الارادہ اور ناقابل اعتماد لوگوں کی بھیڑ مل جاتی تو کیا ایسے نتائج برآمد ہوسکتے تھے؟[52] جب کہ رسول اللہؐ سے قبل بنی اسرئیل نے لاکھوں کی تعداد میں ہونے کے باوجود اپنی بزدلی اور پست ہمتی کی وجہ سے سیدنا موسیٰؑ کے سامنے فلسطین پر حملہ کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا، جس کا تذکرہ قرآن کریم میں یوں ہے:

قَالُواْ يَٰمُوسَىٰٓ إِنَّا لَن نَّدۡخُلَهَآ أَبَدٗا مَّا دَامُواْ فِيهَا فَٱذۡهَبۡ أَنتَ وَرَبُّكَ فَقَٰتِلَآ إِنَّا هَٰهُنَا قَٰعِدُونَ[53]

وہ بولے کہ موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں ہیں ہم کبھی وہاں نہیں جاسکتے (اگر جنگ ضروری ہے) تو تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو ہم یہیں بیٹھے رہیں گے۔

اسلامی تصور اخلاق

اسلام میں انسان کی اخلاقی اقدار کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اس کائنات میں انسان کی تخلیق کا مقصد کیا ہے ؟اس کی اس دنیامیں حیثیت کیاہے؟اسلامی تصور اخلاق میں انسان کی حیثیت خلیفۃ اللہ فی الارض کی ہے، وہ اس دنیوی زندگی میں اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہے۔اسلامی تصوراخلاق، بنیادی اخلاقیات سے کوئی الگ چیز نہیں ہے بلکہ وہ اسی کی تصحیح اور تکمیل ہے۔بنیادی اخلاقیات اسلامی تصوراخلاق سے وابستہ ہوکر سراپاخیر بن جاتے ہیں۔"اسلام نے اخلاق کا کمال یہ قرار دیا کہ وہ اعمال یہ سمجھ کر ادا کئے جائیں کہ یہ خدا کے احکام ہیں،وہ خدا کے دوسرے فطری احکام کی طرح ہمارے اندرودیعت ہیں،انہی احکام الٰہی کے مطابق ہماراضمیر،وجدان،اخلاقی حاسہ اور عقل میں سے جس ایک کو یاسب کو اصل کہیے،ہوناچاہئے۔ان میں باہم جس حدتک باہمی مطابقت وموافقت زیادہ ہوگی،اسی قدر انسان کا روحانی کمال بلند ہوگا اور جس حدتک ان میں کمی ہوگی، اسی حدتک اس کے کمال میں نقص ہوگا"۔[54]

جیسے کسی غریب الدیار مسافر کی مدد یا کسی بیمار کی عیادت اللہ تعالیٰ کی رضا سمجھ کر کی جاتی ہے، بالکل ایسے ہی یہ خدمت اس فرد کے ضمیر کی آواز بھی ہونی چاہئے۔اس کا وجدان بھی یہی کہتا ہو اور وہ اس عمل کو اپنی ذمہ داری سمجھتے ہوئے ادا کر کے روحانی مسرت محسوس کرے۔اس فکروعمل میں پوری انسانیت کا فائدہ بھی ہے اور خدمت بھی۔اگر غور کیا جائے تو مجرد بنیادی اخلاقیات ایک ایسی قوت ہیں، جو خیر بھی ہوسکتی ہیں اور شر بھی۔بالکل اس تلوار کی مانند کہ اگر وہ ایک ڈاکو کے ہاتھ میں ہے تو آلۂ ظلم بن سکتی ہے اور اگر مجاہد فی سبیل اللہ کے ہاتھ میں ہے تو وہ شر اور طاغوتی طاقتوں خاتمے کے لئے استعمال ہوگی۔اس سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ بنیادی اخلاقیات کا خیر ہونا،اس امر پر موقوف ہے کہ ان کی قوت صحیح راہ میں صرف ہو اور یہی خدمت پوری انسانیت کے لئے اسلام نے سرانجام دی ہے۔

مذاہب عالم میں صرف اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے انسان کے روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشات کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے وسط زریں کا اصول پیش کیاہے۔"اسلام نے نہ تو یہودیت کی طرح اخلاق کو قانون کی شکل دے دی اور نہ ہی عیسائیت کی طرح قانون کو مذہب سے خارج کرکے قانون کو بھی اخلاق بنادیا،بلکہ اس نے قانون اور اخلاق کے درمیان حد فاصل قائم کرکے ہر ایک کی حد مقرر کردی اور کتاب شریعت میں قانون کو قانون کی جگہ دی اوراخلاق کواخلاق کی جگہ رکھ کر انسانیت کو تکمیل تک پہنچادیا"۔[55]اسلامی تصوراخلاق میں لازمی ہے کہ دنیا کی زندگی میں انسان کی تمام کوششوں اور محنتوں کی دوڑدھوپ کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا حصول ہو۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمَا تُنفِقُونَ إِلَّا ٱبۡتِغَآءَ وَجۡهِ ٱللَّهِۚ[56]

"اور تم جو خرچ کروگے خدا کی خوشنودی کے لئے کروگے۔"

وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمۡوَٰلَهُمُ ٱبۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ ٱللَّهِ وَتَثۡبِيتٗا مِّنۡ أَنفُسِهِمۡ كَمَثَلِ جَنَّةِۭ بِرَبۡوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٞ فَـَٔاتَتۡ أُكُلَهَا ضِعۡفَيۡنِ فَإِن لَّمۡ يُصِبۡهَا وَابِلٞ فَطَلّٞۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعۡمَلُونَ بَصِيرٌ[57]

"اور جو لوگ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خلوص نیت سے اپنا مال خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایک باغ کی سی ہے جو اونچی جگہ پر واقع ہو(جب)اس پر مینہ پڑے تو دگنا پھل لائے۔اور اگر مینہ نہ بھی پڑے تو خیر پھوار ہی سہی اور خدا تمہارے کاموں کو دیکھ رہاہے۔"

إِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَإِيَّاكَ نَسۡتَعِينُ[58]

"ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔"

اس اساسی اور بنیادی اصلاح کہ انسان کی پوری زندگی کا دائرہ فکروعمل انہی حدود میں محدود ہو جائے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کردی ہیں، کے نتیجے میں ان تمام بنیادی اخلاقیات کی قوت صحیح راہ میں صرف ہونے لگتی ہے۔بجائے اس کے کہ وہ نفس یا خاندان یا کسی قوم کی سربلندی کے لئے استعمال ہوکر فتنہ وفساد کا باعث بنے،وہ خالص حق کی سربلندی کے لئے صرف ہوکر پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت بنتی ہے۔

دوسرا اہم کام اسلامی تصوراخلاق میں یہ ہے کہ وہ بنیادی اخلاقیات کو مستحکم اور اس کے اطلاق کو وسیع کرتا ہے۔ مثلاً بڑے سے بڑے صابر آدمی کے صبر کی بھی ایک حد ہوتی ہے جس کے بعد وہ گھبرا اٹھتا ہے، مگر جس صبر کو توحید کی جڑ سے غذا ملے اور وہ صبر دنیا کے لئے نہ ہو، بلکہ اللہ رب العٰلمین کے لئے ہو، وہ استقامت و پامردی کا ایک عظیم خزانہ ہوتا ہے، جسے دنیا کی تمام ترغیبات اور نفسانی خواہشات مل کر بھی نہیں لوٹ سکتیں۔ اس کے برعکس اک غیر مسلم کا صبر نہایت محدود نوعیت کا ہوتا ہے، اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ ابھی میدان جنگ میں گولیوں کی بوچھاڑ اور توپوں، ٹینکوں کی گن گرج میں صبر و تحمل کا کوہ گراں بنا ہوا تھا اور اسی دوران جونہی شہوانی جذبات کی تسکین کا کوئی موقعہ سامنے آیا تو وہ ریت کا ڈھیر بن گیا۔ اسلامی تصور اخلاق اس صبر کو انسان کی پوری زندگی کا پر محیط کر دیتا ہے اور زندگی کا مخزن بنا دیتا ہے۔ وہ صرف مخصوص خطرات و مصائب میں ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی خواہشات و لالچ اور خوف و ہراس کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے کی صلاحیت عطا کر دیتا ہے۔ درحقیقت اسلامی تصور اخلاق مؤمن کی پوری زندگی کو ایک صابرانہ زندگی بنا دیتا ہے۔ جس کی بنیادی اساس یہ ہے کہ زندگی کی آخری سانس تک صحیح طرز عمل پر قائم رہو، خواہ ظلم و ستم اور مصائب و تکالیف کے کیسے ہی پہاڑ کیوں نہ ٹوٹ پڑیں اور امیدوں اور خوشیوں کے کیسے ہی سر سبز باغات لہلہا رہے ہوں، مگر آخرت کی ابدی زندگی کے یقینی نتائج کی توقع پر دنیا کی پوری زندگی میں برائی سے رکنا اور بھلائی کی راہ پر چلنا اسلامی صبر ہے۔ اس کا ظہور آپ ﷺ کے ان الفاظ میں ہوتا ہے:

"إن من الناس مفاتيح للخير مغاليق للشر، وإن من الناس مفاتيح للشر مغاليق للخير، فطوبى لمن جعل الله مفاتيح الخير على يديه، وويل لمن جعل الله مفاتيح الشر على يديه".[59]

"بعض لوگ خیر کی کنجی اور برائی کے قفل ہوتے ہیں اور بعض لوگ برائی کی کنجی اور خیر کے قفل ہوتے ہیں، تو اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے خیر کی کنجیاں رکھ دیں ہیں، اور اس شخص کے لیے ہلاکت ہے جس کے ہاتھ میں اللہ تعالیٰ نے شر کی کنجیاں رکھ دی ہیں۔"

مراد یہ ہے کہ اسلام کے اخلاقی طریق کار میں انسان کو محض نیک بنانے پر اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ ایجاباً اس کو یہ مشن سپرد کیا جاتا کہ وہ دنیا میں بھلائی کی اشاعت کرے اور برائی کی روک تھام کرے۔ ایسے آدمی کی سیرت واخلاق میں فطرتاً ایسی کشش اور قوت تسخیر پیدا ہو جاتی ہے کہ دنیا کی کوئی جہانگیری اس کا مقابلہ نہیں سکتی۔

اسلامی تصور اخلاق کے انسانی زندگی پر اثرات:

مذاہب عالم میں اسلام نے یہ تعلیم دی کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو اپنا لو، اس بات کا تعلق صرف فرد سے نہیں بلکہ سارے معاشرے سے بھی ہے۔ اسلامی تعلیمات و فرائض کا مقصد صرف نیک اور پاک باز افراد پیدا کرنا ہی نہیں بلکہ وہ ایسا پاکیزہ، صاف ستھرا معاشرتی ماحول تشکیل دینا چاہتا ہے جس میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل افراد کی شخصیت پروان چڑھ سکے۔ خدا ترس، بہترین اعلیٰ اخلاقی صفات کی حامل قیادت میسر آسکے جو "خدا کی رحمانیت، ربوبیت، رزاقیت اور اسی کی ہدایت و راہنمائی کے تحت تمام اخلاقی صفات اسمائے حسنہ کے پرتو انسانی معاشرے کی بناوٹ اور ہیئت ترکیبی میں منعکس کر سکے[60]۔

یہ بات جزوی طور پر درست ہے کہ لوگ اچھے ہو جائیں تو ماحول خودبخود درست ہو جائے گا۔ بے شک اچھے افراد ہی سے اچھا معاشرہ وجود میں آتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ وہ اپنی ذاتی سیرت کے حسن و جمال پر اکتفا نہ کریں، بلکہ اسے بروئے کار لاتے ہوئے ایک ایسا اجتماعی معاشرتی نظام قائم کریں، جس میں معاشرے کی اجتماعی و تمدنی زندگی کو اعلیٰ نمونے میں ڈھالنے کے مواقع مہیا ہوں۔ اسلامی معاشرے کے افراد کی مثال دو ہاتھوں کی مانند ہے جیسے ایک اکیلا ہاتھ تنہا اپنے آپ کو صاف نہیں کر سکتا جب تک کہ دوسرے ہاتھ کی مدد ساتھ شامل نہ ہو، بالکل یہی صورت حال معاشرے کے افراد کی ہے۔ اسی حکمت کے تحت ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلۡحَقِّ وَتَوَاصَوۡاْ بِٱلصَّبۡرِ "[61] اور وہ آپس میں حق (بات) کی تلقین اور صبر کی تاکید کرتے رہتے ہیں۔

جب تک اسلامی معاشرے کے افراد مل جل کر تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کا فریضہ منظم طریقے سے ادا کرتے رہے، اسلام بطور نظامِ دین کا نفاذ بھی قائم رہا اور اس کے ساتھ حکومت کی اصلاح کی جدوجہد جاری رہی، ورنہ کچھ منتشر غیر منظم لوگوں کی نیکیوں، حسن سیرت اور بہترین اخلاقی کردار سے عام لوگوں کی زندگی میں کوئی بڑی تبدیلی پیدا نہیں کی جا سکتی تھی۔ آنحضور ﷺ اگر افراد کی انفرادی تبلیغ پر اکتفاء کرتے تو اسلام بھی عیسائیت کی طرح انفرادی عقیدہ اور ذاتی نجات کا تصور بن جاتا اور کوئی اسلامی معاشرہ اور ملت اسلامیہ وجود میں نہ آتی۔ اسلام کوئی پرائیویٹ مذہب یا کوئی شخصی معاملہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک اجتماعی نظام اور ایک عظیم الشان تہذیب وثقافت ہے۔ اسلام اگر صوفیوں کے مذہب کی طرح ایک شخصی عقیدے کا نام ہوتا یا محض تزکیۂ نفس کی کوششوں سے عبارت ہوتا تو قرآن میں نہ زکوٰۃ کے احکام پائے جاتے، نہ دولت کی تقسیم کے بارے میں کوئی ہدایت ملتی، نہ ہی تقسیم جائداد کے قوانین ملتے، نہ جاگیرداری کا خاتمہ ہوتا، نہ ہی ورثاء اور پڑوسیوں کا تذکرہ ہوتا، نہ جہاد بالنفس وجہاد بالمال کا کوئی حکم صادر ہوتا، نہ صلح وجنگ، دوستی ودشمنی اور بین الاقوامی معاہدات کے بارے میں قرآن مجید اپنے موقف کی وضاحت کرتا۔ کیونکہ ان سب کا تعلق ایک معاشرے کی بہترین اخلاقی اقدار سے ہے۔ اسلامی تصور اخلاق فلاطونی اور نوفلاطونیت فلسفۂ اخلاق کی کامل تردید ہے۔ عالم ادیان میں سب سے پہلے اسلام نے فکر وعمل کی ثنویت کا ابطال کر کے زندگی میں ان کی وحدت کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ اسلام میں ظاہر وباطن کی کوئی تفریق نہیں۔ اسلامی فلسفہ اخلاق احساس ومدرکات کو عقل کے منافی نہیں سمجھتا اور نہ ہی عقل کو وجدان کی ضد ٹھہراتا ہے۔ قرآن کریم میں اس چیز کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا کہ کشف والہام کے ذریعے حقائق اشیاء کی جستجو کرو، البتہ فکر وتدبر کی بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ ، اَفَلاَ یَعْقِلُوْنَ۔ بلکہ قرآن حکیم بار بار یاد دہانی کرواتا ہے کہ کائنات میں غور وفکر کرنے اور عقل سے کام لینے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں:

"إِنَّ فِي خَلْقِ ٱلسَّمَٰوَٰتِ وَٱلْأَرْضِ وَٱخْتِلَٰفِ ٱلَّيْلِ وَٱلنَّهَارِ وَٱلْفُلْكِ ٱلَّتِي تَجْرِي فِي ٱلْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ ٱلنَّاسَ وَمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مِن مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَآبَّةٍ وَتَصْرِيفِ ٱلرِّيَٰحِ وَٱلسَّحَابِ ٱلْمُسَخَّرِ بَيْنَ ٱلسَّمَآءِ وَٱلْأَرْضِ لَءَايَٰتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ" [62]

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں اور کشتیوں اور جہازوں میں جو سمندروں میں لوگوں کے فائدے کی چیزیں لے کر رواں ہیں اور مینہ میں جس کو خدا آسمان سے برساتا اور اس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ (یعنی خشک ہوئے پیچھے سرسبز) کر دیتا ہے اور زمین پر ہر قسم کے جانور پھیلانے میں اور ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں۔ عقلمندوں کے لئے (خدا کی قدرت کی) نشانیاں ہیں۔

وجدان اور الہام انسانی عقل کی ترقی یافتہ صورت ہیں۔ جس طرح عقل، دلیل وبرہان کے بغیر محض دعوؤں پر اکتفاء نہیں کر سکتی اسی طرح الہامی اور وجدانی انکشافات بھی دلیل اور منطق سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ اسلام نے یونانی فلسفۂ اخلاق کے روح اور مادے کے تضاد جیسے نظریہ کا بھی ابطال کیا ہے۔ اسلام میں روحانی زندگی مادی زندگی کی ایک ترقی یافتہ اور بہترین صورت ہے، جس معاشرے میں روحانی اور مادی زندگی کا حسین امتزاج ہو گا۔ اس معاشرے میں انسانی تعلقات میں ہم آہنگی ہو گی، وہاں سیاسی، معاشی اور طبقاتیت نہ ہونے کے برابر ہو گی اور انسانی احترام کا جذبہ لوگوں میں عملاً کارفرما ہو گا، وہی معاشرہ روحانی حیثیت سے زیادہ ترقی یافتہ ہو گا[63]۔ اسلامی تصور اخلاق میں زندگی ایک لعنت نہیں بلکہ ایک خیر عظیم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ ٱللَّهِ ٱلَّتِيٓ أَخْرَجَ لِعِبَادِهِۦ وَٱلطَّيِّبَٰتِ مِنَ ٱلرِّزْقِ"[64]

پوچھو تو کہ جو زینت (وآرائش) اور کھانے (پینے) کی پاکیزہ چیزیں خدا نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں، ان کو حرام کس نے کیا ہے؟

بدھ مت کے نزدیک زندگی ایک لعنت ہے، اس سے بچنے کے لئے "نروان" کا ذریعہ اختیار کیا گیا۔ ان کے نزدیک انسان کو ریاضت ومجاہدات کے ذریعے نفس کشی کرنے اور عملی زندگی یعنی دنیوی زندگی کی جدوجہد کی بجائے فکر ومراقبہ میں مشغول رہنا چاہئے۔ اس نظریے کو نوفلاطونیت نے فنافی اللہ کا رنگ دے کر اور اسلامی فلسفۂ تصوف کا لباس پہنا کر اسلامی اخلاقیات میں شامل کر دیا۔ اس فلسفۂ تصوف

نے انسان کو عقل و فکر اور تجربی ذہنیت و فکر سے ہٹا کر وجدان و کشف کی بھول بھلیوں میں لگا دیا۔ اس طرح انسان کو ذاتی تسکین تو حاصل ہو جاتی ہے، خواہ آس پاس کی دنیا میں اخلاقی اقدار کو کچلا جا رہا ہو، فحاشی و بے حیائی سر اٹھا رہی، انسانیت پامال ہو رہی ہو، عدل و انصاف اور مساوات انسانی کی اعلانیہ تکذیب اور دھجیاں اڑائی جا رہی ہوں۔ اسلام نے ان تمام صوفیانہ اور راہبانہ میلانات کی سختی سے مذمت کی ہے۔ اسلام نے زندگی کو عمل پیہم، حرکت جاودانی اور جہد للقوی قرار دیا ہے۔ اور فلسفۂ سعادت کا یہ راز نہیں کہ آدمی ظاہر سے منہ موڑ کر باطن میں ڈوب جائے بلکہ باطن میں غوطہ زن ہو کر ظاہر کی اصلاح پر متوجہ ہونا چاہئے۔ آنحضور ﷺ نے ساری جوانی کاروبارِ زندگی اور عبادت و فکر میں گزار کر زندگی کے آخری حصے میں اپنے معاشرے کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا، آپ ﷺ کا یہ طرز عمل ہندو مت کے فلسفۂ اخلاق سے بالکل مختلف تھا، جس کی تعلیمات میں ہے کہ زندگی کے آخری حصے میں انسان کو دنیا چھوڑ کر جنگلوں اور ویرانوں میں جا کر ریاضت و مجاہدات کرنے چاہئیں۔ علامہ اقبالؒ اسلامی فلسفۂ اخلاق و ثقافت کی روح پر گفتگو کرتے ہوئے محدود روحانی نقطۂ نظر اور اسلام کے اعلیٰ اخلاقی نقطۂ کا فرق ایک صوفی بزرگ[65] کے واقعہ کے ذریعے بڑی خوش اسلوبی سے انہی کی زبان سے واضح کرتے ہیں، کہ وہ آنحضور ﷺ کے واقعہ معراج کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

محمد عربی بر فلک الافلاک رفت و باز آمد

واللہ اگر من رفتے، ہر گز نیامدے[66]

محمد عربی ﷺ (معراج کی رات) آسمان کی بلندیوں تک پہنچے اور واپس آ گئے، خدا کی قسم اگر میں (اس بلند مقام پر) گیا ہوتا تو کبھی واپس نہ آتا۔

یہ جملہ محدود مذہبی نقطۂ نظر اور اسلام کے انقلابی نقطۂ نظر کے فرق کو واضح کر دیتا ہے۔ جس شخص کے نزدیک اپنی ذات کو رفعتوں اور بلندیوں سے آشنا کرنا مقصود ہو وہ حق تعالیٰ تک اپنی پہنچ کو منتہیٰ سمجھے گا اور اس اونچے روحانی مقام کو حاصل کرنے کے بعد اسی سے ہی لطف اندوز ہوتا رہے گا اور دنیا کی طرف لوٹنا اور زمانے کے تلاطم میں داخل ہونا گوارا نہیں کرے گا۔ لیکن اس کے برعکس نبی کا رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اس بلندی پر پہنچنے کے بعد دنیا کی آب و گیل کی طرف واپس لوٹتا ہے اور جو معرفت اور روشنی اسے حاصل ہوتی ہے اس کی مدد سے ایک نئی دنیا تعمیر کرتا ہے۔ وہ تاریخ ساز قوتوں پر غلبہ حاصل کر کے انسانی تہذیب و تمدن کی تشکیل جدید کا کام سر انجام دیتا ہے۔[67]

مہاتما گوتم بدھ گیان کے لئے ایک درخت کے نیچے آلتی پالتی مار کر اس وقت تک ساکت بیٹھے رہے جب تک نور حقیقت ان پر منکشف نہ ہوئی، لیکن محمد رسول

اللہ ﷺ نے نور حق کو دین حق کی تبلیغ میں تلاش کیا۔ ایک جگہ جم کے قیام کرنے کی بجائے دین حق کو غالب کرنے کے لئے ہجرت کا راستہ اختیار کیا اور باطل کے خلاف صف آراء ہو کر ساری زندگی جہاد فی سبیل اللہ کرتے ہوئے دنیا کو حقیقت حق سے روشناس کروایا اور دین حق کو جزیرۃ العرب کی حد تک غالب کر کے حجت تمام کر دی اور امت کے لئے پوری دنیا پر دین حق کو غالب کرنے کی راہ ہموار کر دی۔ اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ " اسلام سکون پر تعمیری حرکت اور تغیر کو ترجیح دیتا ہے، اس کی نظر میں کوئی حقیقت بنی بنائی موجود نہیں، جس سے انسان ہم کنار ہونے کی کوشش کرے اور جس کی تجلیات کے مشاہدے کے لئے مراقبہ و مشاہدہ میں لگا رہے، بلکہ وہ اپنے عمل اور جدوجہد سے خود ہی حقیقت کی تعمیر و تشکیل کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ گردوپیش کی دنیا اور ماحول کا تجزیہ کرتا رہے اور تاریخی تجربات سے اندھا بہرا بن کر نہ رہے، بلکہ جزئیات سے کلیات کی طرف بڑھ کر معاشرے کے ترقی و زوال کے عمومی ادراک کے حصول تک پہنچ سکے "۔[68]

ہجرت اور جہاد اسلام کے دو اہم اصول ہیں جو صوفیانہ طرز فکر (یعنی ایک جگہ تنہائی میں) روحانی سکون کی ضد ہیں، کیونکہ اسلام میں خدا تعالیٰ کی معرفت معاشرے میں رہتے ہوئے اس کی عبادت کے ساتھ ساتھ تمام انسانوں کے حقوق کی ادائیگی میں ہے۔ اسلام میں دنیا ہی دین ہے، دین کے سارے اصول، شریعت کے سارے احکام و فرائض معاشرتی زندگی پر لاگو ہیں۔ اسلام میں اصل نیکی مخلوق خدا کی خدمت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لیسَ ٱلبِرَّ أَن تُوَلُّواْ وُجُوهَكُم قِبَلَ ٱلمَشرِقِ وَٱلمَغرِبِ وَلَٰكِنَّ ٱلبِرَّ مَن ءَامَنَ بِٱللَّهِ وَٱليَومِ ٱلأخِرِ وَٱلمَلَٰئِكَةِ وَٱلكِتَٰبِ وَٱلنَّبِيِّنَ وَءَاتَى ٱلمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِۦ ذَوِي ٱلقُربَىٰ وَٱليَتَٰمَىٰ وَٱلمَسَٰكِينَ وَٱبنَ ٱلسَّبِيلِ وَٱلسَّائِلِينَ وَفِي ٱلرِّقَابِ وَأَقَامَ ٱلصَّلَوٰةَ وَءَاتَى ٱلزَّكَوٰةَ وَٱلمُوفُونَ بِعَهدِهِم إِذَا عَٰهَدُواْ وَٱلصَّٰبِرِينَ فِي ٱلبَأسَاءِ وَٱلضَّرَّاءِ وَحِينَ ٱلبَأسِ أُوْلَٰئِكَ ٱلَّذِينَ صَدَقُواْ وَأُوْلَٰئِكَ هُمُ ٱلمُتَّقُونَ" [69]

نیکی یہی نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کو (قبلہ سمجھ کر ان) کی طرف منہ کرلو بلکہ نیکی یہ ہے کہ لوگ خدا پر اور روز آخرت پر اور فرشتوں پر اور (خدا کی) کتاب پر اور پیغمبروں پر ایمان لائیں۔ اور مال باوجود عزیز رکھنے کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں اور مانگنے والوں کو دیں اور گردنوں (کے چھڑانے) میں (خرچ کریں) اور نماز پڑھیں اور زکوٰة دیں۔ اور جب عہد کرلیں تو اس کو پورا کریں۔ اور سختی اور تکلیف میں اور (معرکہ) کارزار کے وقت ثابت قدم رہیں۔ یہی لوگ ہیں جو (ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں جو (خدا سے) ڈرنے والے ہیں۔

اسلام کی اعلیٰ ترین منزل جہاد یہ ہے کہ فی سبیل اللہ کے ذریعے اپنے معاشرے کی اصلاح وتعمیر کرتے ہوئے انسان کو اقدار سیّئہ کے بھنور سے نکال کر اخلاق عالیہ کے مقام تک پہنچایا جائے اور محروم الحقوق لوگوں کو ان کے حق دلوائے جائیں۔ مختصراً اسلام کا تصور اخلاق ایک اجتماعی تحریک ہے، جو وجد وحال اور قیل وقال ہر گز نہیں ہے۔ اسلام سے پہلے نوفلاطونی فلسفۂ اخلاق اور عیسائی تصوف نے مل جل کر آدمی پر انفرادی روحانیت کے حصول کا تصور مسلط کر دیا تھا، ہر انسان اپنی نجات وسعادت خود غرضانہ طریقے سے اپنے معاشرے کی اصلاح وفلاح سے الگ تھلگ ہو کر محض رسمی عبادات، راہبانیت اور صوفیانہ خانقاہی طریقے سے حاصل کرتا تھا۔ اسلامی تصور اخلاق نے اس طریق کار کی مکمل تردید کی ہے اور اس بات کی ترغیب دی ہے کہ انسانی فلاح وسعادت معاشرے کی اجتماعیت میں منحصر ہے۔ اگر معاشرہ مجموعی طور پر غلط اصولوں اور غیر منصفانہ بنیادوں پر قائم ہو تو کوئی شخص محض اپنی ذاتی کوشش سے تنہا فلاح نہیں پا سکتا۔ ایک فرد کی فلاح ایک معاشرے میں مضمر ہے۔ اسلامی تصور اخلاق میں محض خود برائی سے پرہیز کرنا، کوئی بلند نصب العین نہیں، بلکہ معاشرے میں دوسروں کو بھی برائی سے روکنے کی ترغیب دینا اہم ہے:

"وَلۡتَكُن مِّنكُمۡ أُمَّةٌ يَدۡعُونَ إِلَى ٱلۡخَيۡرِ وَيَأۡمُرُونَ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۚ وَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلۡمُفۡلِحُونَ" [70]

اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونی چاہیئے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائے اور اچھے کام کرنے کا حکم دے اور برے کاموں سے منع کرے یہی لوگ ہیں جو نجات پانے والے ہیں۔

سلیم الفطرت انسان کا مطمع نظر فلاح انسانیت ہونا چاہئے، نہ کہ صرف روحانی تحفظ۔ اپنی ذات کی حیثیت سے روحانی تحفظ کو اسلامی تصور اخلاق میں بزدلی کی علامت قرار دیا گیا ہے، آنحضور ﷺ کے فرمان کے مطابق دین اسلام میں کمزور وضعیف مؤمن کی بنسبت طاقتور مؤمن کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے، اگرچہ بھلائی دونوں میں ہے۔ طاقتور مؤمن نہ صرف اپنے ایمان کی حفاظت کرتا ہے بلکہ دوسروں کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بنتا ہے [71]۔ اس لئے اسلامی تصور اخلاق نے معرفت الٰہی کو صوفیانہ طریق کی بجائے مجاہدانہ طرز زندگی میں تلاش کرنے کا طریق کار اختیار کیا ہے۔ اس نے حسی ومادی تجربات کے ذریعے عقلی بصیرت کی راہیں ہموار کیں ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَلَا تَقۡفُ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهِۦ عِلۡمٌۚ إِنَّ ٱلسَّمۡعَ وَٱلۡبَصَرَ وَٱلۡفُؤَادَ كُلُّ أُوْلَٰٓئِكَ كَانَ عَنۡهُ مَسۡـُٔولٗا [72]

اور (اے بندے) جس چیز کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ پڑ۔ کہ کان اور آنکھ اور دل ان سب (جوارح) سے ضرور باز پرس ہوگی۔

یہ ایک ایسی عقلی آزادی کا اعلان تھا جس سے دنیا نا آشنا تھی، ایسے زمانے میں جب نوفلاطونی تصوف کے تحت انسان کے مہمل سے مہمل وجدانات اور لایعنی مکاشفات کو عقل ودانائی قرار دیا جاتا تھا۔ اسلام نے فکر وتدبر اور دیانتدارانہ تنقید کو اپنے مذہبی اصولوں میں شامل کیا، علم وحی اور تجربی وحسی طریق کار کے ساتھ اخلاقی زندگی کی تکمیل کی۔ اسلام سے قبل دنیا میں جس کی لاٹھی اس کی بھینس کا قانون تھا۔ اسلام نے ان سب برائیوں کا خاتمہ کرکے ایک ایسا عادلانہ اجتماعی نظام قائم کیا جس میں چھوٹے بڑے، امیر وغریب اور قوی وضعیف کے امتیاز کا خاتمہ ہوگیا۔ ایک ایسا اصول قائم کیا گیا جس کے تحت کوئی طاقتور کسی کمزور کو غلام نہ بنائے۔ جو شخص راہ عدل

سے تجاوز کرے اور فساد مچائے اس کا زور توڑ کر اس کی بیخ کنی کی جائے گی۔ ہر بااخلاق وفرض شناس حاکم کا فرض قرار دیا کہ ایسے خبیث لوگوں سے معاشرے کو پاک کر کے اجتماعی مفاد کی حفاظت کرے۔

اخلاقی اقدار کی تشکیل میں زمام کار کی اہمیت:

عربی زبان کا ایک قدیم مقولہ مشہور ہے "الناس علی دین ملوکھم "لوگ اپنے حکمرانوں کے طریقے پر چلتے ہیں۔ قرآن مجید میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

"وَإِذَآ أَرَدْنَآ أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيهَا فَفَسَقُواْ فِيهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا ٱلْقَوْلُ فَدَمَّرْنَٰهَا تَدْمِيراً"[73]

"اور جب ہم کسی بستی کے باسیوں کو ہلاک کرنا چاہتے تو وہاں کے آسودہ حال لوگوں کو حکم (تکوینی) دیتے تو وہ نافرمانیوں میں سرگرم عمل ہو جاتے ہیں۔ جس کی بنا پر عذاب کا قانون لاگو ہو جاتا ہے۔ اور پھر ہم ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کر ڈالتے ہیں۔"

اس آیت مبارکہ میں **مترفین** سے مراد وہ تمام بڑے لوگ جو عوام الناس کی اخلاقیات پر اثرانداز ہوتے ہیں، خواہ وہ مذہبی ٹھیکیدار ہوں یا سیاسی راہنما یا خوشحال لوگ۔ خاندان بنوامیہ کے دور اقتدار میں اہل حکومت کی بے دین زندگی سے پوری اسلامی سوسائٹی متاثر ہو رہی تھی، حکمرانوں میں عہد نبوت اور خلافت راشدہ کی خصوصیات بالکل ناپید تھیں، مترفین کا ایسا طبقہ پیدا ہو چکا تھا جن کے اخلاق واطوار قدیم جاہلیت کے مترفین جیسے تھے، یوں لگتا تھا جیسے زخم خوردہ جاہلیت اپنے فاتح حریف سے انتقام لینے کے لئے بے قرار ہو۔ بنوامیہ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ منتخب ہوتے ہی خلافت راشدہ کی یاد تازہ کر دی۔ ان کی اسلامی حکومت نتیجے میں عوام الناس میں ایک انقلاب رونما ہو گیا۔ اس ضمن میں امام طبری لکھتے ہیں کہ لوگوں کے رجحانات بدلنے لگے، اور قوم کے مزاج ومذاق میں تبدیلی واقع ہونے لگی۔ ان کے ہم عصر لکھتے ہیں کہ جب ہم ولید بن عبدالملک کے زمانے میں جمع ہوتے تو عمارتوں اور طرز تعمیر کے بارے میں بات چیت کرتے کیونکہ ولید کا ذوق یہی تھا اور اہل مملکت پر اس کا بڑا اثر پڑ رہا تھا۔ سلیمان بن عبدالملک دعوتوں، کھانوں، عورتوں اور شعر وشاعری کا بڑا شوقین تھا، اس کے زمانے میں لوگوں کا محفلوں، مجلسوں کا موضوع سخن یہی ہوتا تھا لیکن عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں قرآن مجید کتنا پڑھا سمجھا، کتنی احادیث یاد کیں، ان کے مطابق کیسے عمل کیا؟ صلوٰۃ التہجد ونوافل کتنے پڑھے؟ کتنے روزے رکھے؟ جہاں کہیں چار لوگ جمع ہوتے، گفتگو کا موضوع یہی باتیں ہوتیں۔[74] یہی ساری خوبیاں حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شخصیت کا لازمی حصہ تھیں جو عوام الناس میں منتقل ہو گئیں۔ اسی لئے "عوامی مقبولیت کی وجہ سے تربیت واصلاح کے اولین مخاطب ہمیشہ یہی لوگ رہے ہیں"۔[75]

عام لوگوں کے اخلاقی بناؤ اور بگاڑ کے ذمہ دار یہی علماء اور امراء ہیں کیونکہ لیڈرشپ اور زمام کار انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور لوگوں کی اکثریت انہی کے نقش قدم پہ چلتی ہے۔ اسی حوالے سے سید ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

کوئی بڑا مجمع جس طرف جا رہا ہو، اس سمت کی طرف چلنے کے لئے تو انسان کو قوت لگانے کی کوئی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس کے برعکس کوئی مخالف سمت چلنا چاہے تو وہ اپنی تمام تر زور آزمائی کے باوجود ایک قدم ہی آگے چل سکتا ہے۔ جتنا وہ آگے بڑھتا ہے مجمع کا ایک ہی ریلا اسے کئی گنا پیچھے دھکیل دیتا ہے۔ بالکل اسی طرح معاشرتی ماحول میں قوت واقتدار کی باگیں جن کے ہاتھ میں ہوں، عام انسانوں کی زندگی انہی سے وابستہ ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہی لوگ افکار ونظریات اور خیالات کے بنانے اور انسان کی انفرادی سیرت کی تعمیر، اجتماعی نظام کی تشکیل اور اخلاقی قدروں کے تعیین میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔ ان کی راہنمائی اور فرمارَوائی کے ماتحت رہتے ہوئے انسانی معاشرہ بحیثیت مجموعی اسی راہ پر چلتا ہے جس راہ پر وہ چلانا چاہتے ہیں۔ یہ فرمانروا، لیڈر اگر خدا پرست ہوں گے تو لامحالہ معاشرے کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر وصلاح پر چلے گا۔ برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے۔ برائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو کم از کم پروان بھی نہیں چڑھ سکیں گی، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں منافقین کو بھی اپنا نفاق چھپانے کے لئے نماز کے اوقات میں مسجد جا کر نماز والے افعال ادا کرنے پڑتے تھے۔ قرآن نے ان کی حرکات کو یوں بیان کیا ہے:

وَإِذَا قَامُوٓاْ إِلَى ٱلصَّلَوٰةِ قَامُواْ كُسَالَىٰ يُرَآءُونَ ٱلنَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ ٱللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا[76]

"اور جب یہ نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں اور یاد الٰہی یونہی سی برائے نام کرتے ہیں"

"وَلَا يَأۡتُونَ ٱلصَّلَوٰةَ إِلَّا وَهُمۡ كُسَالَىٰ وَلَا يُنفِقُونَ إِلَّا وَهُمۡ كَٰرِهُونَ"[77]

"اور بڑی کاہلی سے نماز کو آتے ہیں اور بُرے دل سے ہی خرچ کرتے ہیں"

اچھے ماحول میں بہترین اخلاقی اقدار کی نشوونما ہوتی ہے اور بدخصلت لوگوں کی برائیاں دب جاتی ہیں۔اس کے برعکس اگر قیادت وفرمارو ائی فاسق وفاجر لوگوں کے ہاتھ میں ہو تو سارا معاشرتی ماحول ظلم اور بداخلاقی سے مامور ہوگا، تہذیب وتمدن،خیالات ونظریات ،اخلاقی اقدار،علوم وآداب ،سیاست ومعیشت،عدل وقانون سب کے سب بگڑ جائیں گے۔برائی وبے حیائی خوب پھلے پھولے گی۔ جھوٹ، مکروفریب، دھوکہ دہی کو اعلٰی اخلاقی اقدار قرار دیا جائے گا۔ان حالات میں برائی کی راہ پر چلنا آسان اور نیکی وبھلائی کی راہ پر قائم رہنا مشکل ہو جائے گا۔

دین اسلام نے حکمران کے لئے لازمی قرار دیا ہے کہ وہ ایسا اجتماعی اخلاقی نظام قائم کرے جس میں بقدر امکان ہر شخص کو اس کی صلاحیتوں کی بھرپور تکمیل اور اعلٰی نصب العین کے حصول میں مدد ملے، اور ہر شخص اپنی جگہ آزاد وخود مختار ہو، لیکن ایک ہی جان کے کل پرزوں کی مانند ایک دوسرے وابستہ ہوں، مگر ہر قسم کی بے جا قیود اور پابندیوں سے محفوظ اپنے فرائض کی ادائیگی میں شوق ومحنت سے مصروف، اور اپنی محنتوں کے نتائج سے کامل طور پر بہرہ مند، اپنی استعداد کے مطابق ترقی کرنے کے مواقع فراہم ہوں۔

نتیجہ بحث:

اسلامی تصور اخلاق پوری انسانیت کے لئے باعث رحمت ہے۔ انسان اپنی فطرت میں معاشرتی زندگی کا محتاج ہے اور انسانی فلاح وسعادت معاشرے کی اجتماعیت میں منحصر ہے۔ انسانی عروج وزوال کا مدار اخلاقیات پر ہے۔ دراصل چیز جو انسان کو گراتی اور اٹھاتی ہے وہ اخلاقی طاقت ہے۔معاشرتی ماحول اخلاقی اقدار کو متاثر کرتا ہے۔ جہاں برائی عام ہو ایسے حالات میں فرد کا ماحول اور جگہ تبدیل کردینی چاہیئے۔ یہ حقیقت حدیث رسول ﷺ سے ثابت ہے کہ یہ ہجرت اصلاح کے لئے بڑی مفید اور کارگر ہے۔اگر ماحول اور جگہ کی تبدیلی ممکن نہ ہو تو کم از کم فرد کی برائی کے خلاف جارحیت ہی اس کے اخلاق کی حفاظت کے لئے بہترین دفاع ہے۔اسلامی تصور اخلاق بنیادی اخلاقیات کو مستحکم اور اس کے اطلاق کو وسیع کرتا ہے۔اسلامی عبادات کا ایک اہم مقصد انسان کے اخلاق حسنہ کی تربیت وتکمیل بھی ہے۔ایمان کی پہچان اسلام ہے اور اس کے آثار وثمرات اخلاق حسنہ ہیں۔مذاہب عالم میں صرف اسلام کو یہ شرف حاصل ہے کہ اس نے انسان کے روحانی پہلوؤں کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشات کو بھی مد نظر رکھتے ہوئے وسط زرّیں کا اصول پیش کیا ہے۔معرفت الٰہی کو صوفیانہ طریق کی بجائے مجاہدانہ طرز زندگی میں تلاش کرنے کا طریق کار اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور ایسے اصول قائم کیے ہیں جس کے تحت کوئی طاقتور کسی کمزور کو غلام نہ بنائے، جو شخص راہ عدل سے تجاوز کرے اور فساد مچائے اس کا زور توڑ کر اس کی بیخ کنی کی جائے۔ہر بااخلاق وفرض شناس حاکم کا فرض قرار دیا کہ ایسے خبیث لوگوں سے معاشرے کو پاک کرکے اجتماعی مفاد کی حفاظت کرے۔ فرمانروا،لیڈر اگر خدا پرست ہوں گے تو لامحالہ معاشرے کا سارا نظام خدا پرستی اور خیر وصلاح پر چلے گا۔برے لوگ بھی اچھے بننے پر مجبور ہوں گے،برائیاں اگر مٹیں گی نہیں تو کم از کم پروان بھی نہیں چڑھ سکیں گی۔ اخلاقی اقدار کی تشکیل میں نیک صالح زمام کار کا انتخاب بڑی اہمیت کا حامل ہے جو پوری انسانیت کے فلاح وبہبود ضامن ہے۔

حوالہ جات

[1] حسین بن محمد بن مفضل راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن (دمشق: دارالقلم، 2009ء/1430ھ)، 2/492۔

Ḥusayn ibn Muḥammad Al-Rāghib al-Aṣfahānī, Mufradāt Alfāẓ al-Qurʾān (Dimashq: Dār al-Qalam, 1430 AH / 2009 CE), 2/492.

[2] القرآن، 26/89۔

Al-Qur'ān, 26/89.

[3] محمد بن مکرم بن علی جمال الدین ابن منظور الافریقی، لسان العرب (لبنان: داراحیاء التراث العربی، س ن)، 6/345۔

Muḥammad bin Makram bin ʿAlī Jamāl ad-Dīn ibn Manẓūr al-Afrīqī, Lisān al-ʿArab (Lubnān: Dār Aḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, ND), 6/345.

[4] ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح للمسلم، باب بَیَانِ اَرْکَانِ الْاِسْلَامِ وَدَعَائِمِہِ الْعِظَامِ، حدیث نمبر: 112۔

Abū al-Ḥusayn Muslim bin Ḥajjāj bin Muslim, al-Jāmiʿ aṣ-Ṣaḥīḥ lil-Muslim, Bāb Bayān Arkān al-Islām wa Daʿāʾimih al-ʿIẓām, Ḥadīth Number: 112.

[5] القرآن، 45:29۔

Al-Qur'ān, 45/29.

[6] القرآن الکریم وترجمۃ ومعانیہ وتفسیرہ الی اللغۃ الاردیہ (سعودی عرب: مجمع الملک فہد لطباعہ المصحف شریف، س ن) 1115۔

Al-Qur'ān al-Karīm wa Tarjumatuh wa Maʿānīh wa Tafsīruh ilā al-Lughat al-Urdīyah (Saʿūdī ʿArabia: Majmaʿ al-Malik Fahd li-Ṭibāʿat al-Muṣḥaf al-Sharīf, ND), 1115.

[7] عبدالرحمن بن محمد بن ادریس ابن ابی حاتم، تفسیر القرآن العظیم (ریاض: مکتبہ نزار مصطفی الباز، 1997ء)، 8/3066۔

ʿAbd al-Raḥmān bin Muḥammad bin Idrīs ibn Abī Ḥātim, Tafsīr al-Qur'ān al-ʿAẓīm (Riyāḍ: Maktabat Nizār Muṣṭafā al-Bāz, 1997), 8/3066.

[8] القرآن، 2:183۔

Al-Qur'ān, 2:183.

[9] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: محمد سعید اینڈ سنز تاجران کتب، س۔ن)، 6/12۔

Syed Sulayman Nadwi, Seerat-ul-Nabi ﷺ (Lahore: Muhammad Saeed & Sons Tajran Kutub, ND), 6/12.

[10] راغب اصفہانی، مفردات القرآن، 1/318۔

Rāghib Asfahānī, Mufradāt al-Qur'ān, 1/318.

[11] القرآن، 4:68۔

Al-Qur'ān, 4:68.

[12] القرآن، 2:200۔

Al-Qur'ān, 2:200.

[13] الیاس انطون، المنجد القاموس العصری عربی انکلیزی (دہلی: پرویز بک ڈپو، س۔ن)، 294۔

Ilyās Antūn, Al-Munjid al-Qāmūs al-ʿAṣrī ʿArabī-Inklīzī (Delhi: Parvez Book Depot, ND), 294.

[14] ابن منظور الافریقی، لسان العرب، 4/194۔

Ibn Manẓūr al-Afrīqī, Lisān al-ʿArab, 4/194.

[15] عبدالسلام ندوی، حکمائے اسلام (پاکستان: نیشنل بک فاؤنڈیشن، 1989ء) 241۔

Abd al-Salam Nadwi, Hukamāʾ al-Islām (Pakistan: National Book Foundation, 1989), 241.

[16] ابو حامد محمد بن احمد غزالی، احیاء علوم الدین (مصر: مطبع القاہرہ المصریہ، 1403ھ)، 3/50۔

Abū Ḥāmid Muḥammad bin Aḥmad Ghazālī, Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn (Miṣr: Maṭbaʿ al-Qāhirah al-Miṣriyah, 1403H), 3/50.

[17] ابو حامد محمد بن احمد غزالی، میزان العمل (مصر: مطبع القاہرہ المصریہ، 1409ھ)، 2/284۔

Abū Ḥāmid Muḥammad bin Aḥmad Ghazālī, Mīzān al-ʿAmal (Miṣr: Maṭbaʿ al-Qāhirah al-Miṣriyyah, 1409H), 2/284.

[18] محمد بن اسماعیل البخاری، الجامع الصحیح، باب الحذر من الغضب، حدیث نمبر: 6114۔

Muḥammad bin Ismāʿīl al-Bukhārī, al-Jāmiʿ aṣ-Ṣaḥīḥ, Bāb al-ḥadhar min al-ghaḍab, Ḥadīth Number: 6114.

[19] محمد بن ابی بکر شمس الدین ابن قیم الجوزیہ، مدارج السالکین (پاکستان: مطبع منیریہ، س ن) 2/176۔

Muḥammad ibn Abī Bakr Shams al-Dīn Ibn Qayyim al-Jawziyyah, Madārij al-Sālikīn (Pākistān: Maṭbaʿah Munīriyyah, ND), 2/176.

[20] احمد بن عبد الرحیم شاہ ولی اللہ دہلوی، حجۃ اللہ البالغہ (لبنان: دار الجیل، 2005ء)، 1/33۔

Aḥmad ibn ʿAbd al-Raḥīm Shāh Walī Allāh Dehlawī, Ḥujjatullāh al-Bālighah (Lubnān: Dār al-Jīl, 2005), 1/33.

[21] Khalifa Abdul Hakim, Islamic Ideology (Lahore: Institute of Islamic Culture, 1993 AD), 128.

[22] عبد الحمید صدیقی، ایمان اور اخلاق (لاہور: البدر پبلی کیشنز، س ن)، 134۔

ʿAbd al-Ḥamīd Ṣiddīqī, Īmān aur Akhlāq (Lahore: al-Badr Publications, s.n.), 134

[23] J. S. MacKenzie, A Manual of Ethics (New York City: Hinds, Hayden and Eldrege Inc., 1901), 1.

[24] Encyclopedia of Philosophy (London: Macmillan Company, 1967), 3/81-82.

[25] Encyclopaedia of Britannica (Chicago: Encyclopaedia Britannica Inc.,1998), 8/757.

[26] ابو عبد اللہ محمد بن یزید ابن ماجہ الربعی القزوینی، سنن ابن ماجہ، کتاب الأحکام، باب من بنی في حقہ مایضر بجارہ، حدیث نمبر: 2340۔

Abū ʿAbd Allāh Muḥammad ibn Yazīd Ibn Mājah al-Rabʿī al-Qazwīnī, Sunan Ibn Mājah, Kitāb al-Aḥkām, Bāb man banā fī ḥaqqihi mā yaḍurr bijārihi, Ḥadīth no: 2340.

[27] سید ابو الاعلیٰ مودودی، اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، 2002ء)، 216۔

Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Islām kā Akhlāqī Nuqṭah-yi Nazar (Lāhore: Islamic Publications, 2002), 216.

[28] مالک بن انس، المؤطا، کتاب حسن الخلق، باب ماجاء فی حسن الخلق، حدیث نمبر: 1277۔

Mālik bin Anas, al-Muwaṭṭaʾ, Kitāb Ḥusn al-Khuluq, Bāb Mā Jāʾa fī Ḥusn al-Khuluq, Ḥadīth no. 1277.

[29] ابو عیسی محمد بن عیسی ترمذی، جامع الترمذی، کتاب الرضاع، باب ماجاء فی حق الزوج علی المرأۃ، حدیث: 1162۔

Abu `Isa Muhammad ibn Isa Tirmidhi, Jami at-Tirmidhi, Kitab ar-Rida`, Bab ma ja'a fi haqq az-zawj `ala al-mar'ah, Hadith number: 1162.

[30] پروفیسر خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات (کراچی: شعبہ تعلیم و تصنیف کراچی یونیورسٹی، س ن)، 386۔

Professor Khurshīd Aḥmad, Islāmī Naẓarīyah Ḥayāt (Karāchī: Shuʻbah Ta'līm wa Taṣnīf, Karāchī Yūnīvarsiṭī, ND), 386.

[31] شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، 1/50۔

Shāh Walī Allāh, Ḥujjatullāh al-Bālighah, 1/50.

[32] پروفیسر سی اے قادر، فلسفۂ جدید اور اس کے خدوخال (لاہور: مجلس ترقی ادب، 1985ء)، 8۔

Professor C. A. Qadir, Falsafah Jadeed aur Iske Khudokhaal (Lahore: Majlis Taraqqi Adab, 1985), 8.

[33] خورشید احمد، اسلامی نظریہ حیات، 386۔

Khurshīd Aḥmad, Islāmī Naẓarīyah Ḥayāt,386.

[34] خویشگی محمد عبداللہ خان، فرہنگ عامرہ (لاہور: فیروز سنز، س ن) 441۔

Khwishgi Muhammad Abdullah Khan, Farhang Amirah (Lahore: Ferozsons, ND), 441.

[35] الیاس انطون، القاموس العصری، 792۔

Ilyās Antūn, Al-Munjid al-Qāmūs al-ʿAṣrī, 792.

[36] The World book Encyclopaedia (Chicago: World Book ,1957), 5/2363.

[37] محمد تقی امینی، لامذہبی دور کا تاریخی پس منظر (دہلی: ندوۃ المصنفین، 1965ء)، 72۔

Muhammad Taqi Amini, Lamadhahbi Dor ka Tareekhi Pas-e-Manzar (Delhi: Nadwatul Musannifeen, 1965), 72.

[38] حفظ الرحمٰن سیوہاروی، اخلاق اور فلسفۂ اخلاق (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن)، 56۔

Hifz al-Rahman Siwaharvi, Akhlaq aur Falsafah-e-Akhlaq (Lahore: Maktabah Rehmania, ND), 56.

[39] Joe Park, Selected Readings in The Philosophy of Education (New York: Macmillan, 1958), 3.

[40] لسان العرب، 9/20؛ مجد الدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروزآبادی، القاموس المحیط (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ للطباعۃ والنشر والتوزیع، 2005ء) 1/616۔

Lisan al-'Arab, 9/20; Majd al-Din Abu Tahir Muhammad ibn Ya'qub Fayyruzabadi, Al-Qamus al-Muheet (Beirut: Mu'assasat al-Risalah li-Tiba'ah wa al-Nashr wa al-Tawzi', 2005), 1/616.

[41] علامہ محمد اقبال، ارمغان حجاز با شرح، بڈھے بلوچ کی نصیحت بیٹے کو (دہلی: اعتقاد پبلشنگ، 1982)، 50۔

ʿAllāmah Muḥammad Iqbāl, Armaghān-e-Ḥijāz bā Sharḥ, Buṛhe Baloch kī Naṣīḥat Bete ko (Delhi: Iʿtiqād Publishing, 1982), 50.

[42] علامہ محمد اقبال، جاوید نامہ (لاہور: شیخ غلام علی، طبع ہفتم، 1970)، 166۔

ʿAllāmah Muḥammad Iqbāl, Jāwīd-Nāmah (Lahore: Sheikh Ghulām ʿAlī, Ṭabʿ Haftum, 1970), 166.

[43] سیوہاروی، اخلاق اور فلسفہ اخلاق، 227۔

Siwaharvi, Akhlaq aur Falsafah-e-Akhlaq, 227.

[44] Robert Briffault, Rational Evolution (The Making of Humanity) (UK: Routledge, 2019), 84.

[45] القرآن، 30:30۔

Al-Qur'ān, 30:30.

[46] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب الجنائز، باب ماقیل في أولاد المشرکین، حدیث نمبر 1385؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب القدر، باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ، حدیث نمبر 6758۔

Bukhārī, al-Jāmi'al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Janāʾiz, Bāb mā qīla fī awlād al-mushrikīn, Ḥadīth no. 1385; Muslim, al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Qadr, Bāb ma'nā kull mawlūd yūladu 'alā al-fiṭrah, Ḥadīth no. 2658.

[47] سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسئلۂ جبر وقدر (کراچی: الاخوان پبلی کیشنز، س ن)، 39۔

Sayyid Abū al-A'lā Mawdūdī, Masʾalah Jabr wa Qadr (Karachi: al-Ikhwān Publications, ND), 39.

[48] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب احادیث الانبیاء، حدیث نمبر: 3470؛ مسلم، الجامع الصحیح، کتاب التوبہ، باب قبول توبۃ القاتل، حدیث نمبر: 7008۔

Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb Aḥādīth al-Anbiyāʾ, ḥadīth no. 3470; Muslim, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Tawbah, Bāb Qabūl Tawbat al-Qātil, ḥadīth no. 7008.

[49] ڈاکٹر اسرار احمد، راہ نجات (لاہور: انجمن خدام القرآن، س ن)، 57۔

Dr. Asrar Aḥmad, Rāh-e-Nijāt (Lahore: Anjuman Khuddām al-Qurʾān, ND), 57.

[50] مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان کون النہی عن المنکر من الایمان، حدیث نمبر: 177۔

Muslim, Al-Jāmi' al-Ṣaḥīḥ, Kitāb al-Īmān, Bāb Bayān Kawn al-Nahy 'an al-Munkar min al-Īmān, Ḥadīth No: 177.

[51] بخاری، الجامع الصحیح، کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ تعالی: {لقد کان في یوسف وإخوتہ آیات للسائلین}، حدیث نمبر: 3383۔

Al-Bukhārī, al-Jāmiʿ al-Ṣaḥīḥ, Kitāb Aḥādīth al-Anbiyāʾ, Bāb Qawl Allāh Taʿālā: {Laqad kāna fī Yūsuf wa ikhwatihi āyātun lil-sāʾilīn}, Ḥadīth no. 3383

[52] سید ابوالاعلیٰ مودودی، اسلامی نظام زندگی اور اس کے بنیادی تصورات (لاہور: اسلامی پبلی کیشنز، 1968ء)، 211-218۔

Sayyid Abū al-Aʿlā Mawdūdī, Islāmī Niẓām-e-Zindagī aur Us ke Bunyādī Taṣawwurāt (Lāhaur: Islāmī Publications, 1968), 211–218.

[53] القرآن، 5:24۔

Al-Qur'ān, 5:24.

[54] شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: مکتبہ مدنیہ، 1408ھ)، 6/27۔

Shiblī Nuʿmānī, Sayyid Sulaymān Nadwī, Sīrat al-Nabī ﷺ (Lāhore: Maktabah Madaniyyah, 1408 H), 6/27.

[55] ایضاً، 6/51۔

Ibid, 6/51.

[56] القرآن، 2:272۔

Al-Qur'ān, 2:272.

[57] القرآن، 2:265۔

Al-Qur'ān, 2:265.

[58] القرآن، 4:1۔

Al-Qur'ān, 1:4.

59 ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، باب من کان مفتاحاً للخیر، حدیث نمبر:238۔

Ibn Mājah, Sunan Ibn Mājah, Bāb Man Kāna Miftāḥan lil-Khayr, Ḥadīth No: 238

60 تمام اخلاقی صفات اسمائے حسنہ کے پر تو انسانی معاشرے کی بناوٹ اور ہیت ترکیبی منعکس ہونی چاہئیں۔ اس کے بارے میں سید احمد سرہندی، مجدد الف ثانی لکھتے ہیں کہ یہ بات پیش دل و دماغ میں منقش رہنی چاہئے کہ کوئی مخلوق اللہ کی کسی صفت میں شریک نہیں ہو سکتی اور ایسا سوچنا بھی شرک ہے۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ بندے کے جس وصف کو اللہ سے مناسبت ہوتی ہے اس کا اطلاق مجازاً کر دیتے ہیں۔ (شیخ احمد فاروقی سرہندی مجدد الف ثانی، معارف لدنیہ (کراچی: زوار اکیڈمی پبلیکیشنز، 2012)90۔)

Shaykh Sḥmad Fārūqī Sirhindī Mujaddid Alf-i-Thānī, Ma'ārif-e-Ladunniyah (Karachi: Zawār Academy Publications, 2012), 90.

61 القرآن، 3:103۔

Al-Qur'ān, 103:3.

62 القرآن، 2:164۔

Al-Qur'ān, 2:164.

63 سیوہاروی، اخلاق اور فلسفۂ اخلاق، 265۔

Sīwahrwī, Akhlāq aur Falsafah-yi Akhlāq (Lahore: Maktabah Raḥmāniyyah, ND), 265.

64 القرآن، 7:32۔

Al-Qur'ān, 7:32.

65 علامہ اقبال، مولانا عبد القدوس گنگوہی، جو مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دور کے ایک مشہور ولی اللہ بزرگ تھے، کے جذبات کی عکاسی کر رہے ہیں۔

66 علامہ محمد اقبال، تجدیدِ فکریاتِ اسلام، اردو ترجمہ: وحید عشرت (لاہور: اقبال اکیڈمی، طبع اول، 2022)155۔

'Allāmah Muḥammad Iqbāl, Tajdīd-i Fikrīyāt-i Islām, Urdu Tarjumah: Waḥīd 'Ishrat (Lahore: Iqbāl Academy, Ṭab' Awwal, 2022), 155.

67 Muhammad Iqbal, The Reconstruction of Religious Thought in Islam (Lahore: Institute of Islamic culture, ND), 88.

68 محمد مظہر الدین صدیقی، اسلام اور مذاہب عالم (لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، س ن)، 217-218۔

Muḥammad Maẓhar al-Dīn Ṣiddīqī, Islām aur Madhāhib-i-'Ālam (Lahore: Al-Faiṣal Nāshrān wa Tājirān-i-Kutub, s.n.), 217–218.

69 القرآن، 2/177۔

Al-Qur'ān, 2/177.

70 القرآن، 3/104۔

Al-Qur'ān, 3/104.

71 حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے بعد ان کے ساتھ چالیس/40 مسلمانوں نے اعلانیہ بیت اللہ میں نماز ادا کی اس سے قبل مسلمان چھپ کر نماز پڑھتے تھے۔ حضرت عمرؓ چونکہ طاقتور مؤمن تھے لہٰذا اپنے ایمان کے ساتھ دوسروں کے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بنے۔

72 القرآن، 17/36۔

Al-Qur'ān, 17/36.

74 ابو الحسن علی ندوی، تاریخ دعوت و عزیمت، (لکھنو: مجلس نشریات و تحقیقات اسلام، 2005)2/50۔

Abū al-Ḥasan 'Alī Nadwī, Tārīkh-i Da'wat wa 'Azīmat (Lucknow: Majlis Nashriyāt wa Taḥqīqāt-i Islām, 2005), 2/50.

[75] مولانا محمد تقی امینی، عروج وزوال کا الٰہی نظام، (کراچی: قدیم کتب خانہ، آرام باغ، س ن)، 29۔

Maulānā Muḥammad Taqī Amīnī, ʿUrūj wa Zawāl kā Ilāhī Niẓām (Karachi: Qadīm Kutub Khānah, Ārām Bāgh, s.n.), 29.

[76] القرآن، 4/142۔

Al-Qur’ān, 4/142.

[77] القرآن، 9/54۔

Al-Qur’ān, 9/54.